377 | مئی 2017

مُدیرِ اعلیٰ
ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی ؒ
مُدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

مُحدِّث

4 انسدادِ سود کی کوششیں اور حکومت کا رویہ
18 رمضان المبارک کے مسنون انفرادی واجتماعی اعمال
37 دساتیر اور نظامِ عدل کا تقابلی جائزہ
73 عالمِ کفر کی عالمِ اسلام سے کشاکش ... چند فکر انگیز پہلو

جامعۃ لاہور الاسلامیۃ
مجلس التحقیق الاسلامی

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیر اَعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی **مُدیر:** ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا - کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے زرِ سالانہ: ۲۰۰روپے بیرون ملک: ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر ربینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی و تحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔ **ایڈریس:** ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 042 - 3586639 / 35866476 **موبائل:** 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.mohaddis.com __ www.kitabosunnat.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

☜ عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

☜ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

☜ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

☜ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کردینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

☜ آئین وسیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

☜ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!

کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

ماہنامہ محدث

لاہور پاکستان

مدیر اعلیٰ
ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی ﷾

مدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

جلد 49 — مئی 2017ء / رمضان المبارک 1438ھ — عدد 03

مجلس مشاورت
- حافظ صلاح الدین یوسف - ڈاکٹر محمد حماد لکھوی - ڈاکٹر محمد اسحاق زاہد
- ڈاکٹر حافظ انس مدنی - ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی - ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

نائب مدیر
محمد نعمان فاروقی

ترسیل
محمد اصغر 0305 4600861

فہرست مضامین

فکر ونظر — حافظ صلاح الدین یوسف ﷫
انسداد سود کی کوششیں اور حکومت کا رویہ 4

معیشت و اقتصاد — ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی
اسلامی بینکاری؛ علماے کرام سے گذارشات 15

احکام و مسائل — ڈاکٹر حافظ حسن مدنی
رمضان المبارک کے مسنون انفرادی واجتماعی اعمال 18

قانون و قضا — مولانا ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی
پاکستانی اور سعودی دساتیر.... عدل کا تقابلی جائزہ 37

نقد و نظر — شکیل عثمانی
جاوید احمد غامدی کے متضاد خیالات... 60

نقطۂ نظر — محمد نعمان فاروقی
عالم کفر کی عالم اسلام سے کشاکش... چند فکر انگیز پہلو 73

زرسالانہ	300/= روپے
فی شمارہ	60/= روپے

بیرون ملک

زرسالانہ	20/= ڈالر
فی شمارہ	4/= ڈالر

Monthly Muhaddis
A/c No: 984-8
UBL-Model Town
Bank Squre Market, Lahore.

دفتر کا پتہ
99 جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700
042-35866396, 35866476
Email:
Mohaddislhr@gmail.com

Publisher:
Hafiz Abdur Rahman Madni
Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore.

Islamic Research Council

محدث کتاب وسنت کی روشنی میں آزادانہ بحث وتحقیق کا حامی ہے لہٰذا ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلی اتفاق ضروری نہیں!

انسداد سود کی کوششیں اور حکومت کا رویہ

انسدادِ سود کی کوششوں کی ناکامی کی المناک کہانی

حافظ صلاح الدین یوسف

۱۰/اپریل ۲۰۱۷ء کے اخبارات میں وفاقی شرعی عدالت کے موجودہ چیف جسٹس جناب ریاض احمد خاں (خیال رہے اس بیان کے چند روز بعد موصوف ریٹائر ہوگئے) کے یہ ریمارکس شائع ہوئے ہیں کہ

> ''سود کی ممانعت کے وقت کی معیشت اور آج کی معیشت میں فرق ہے۔ اس وقت کے نظام کو آج کے وقت میں کیسے نافذ کیا جاسکتا ہے؟''

موصوف نے یہ ریمارکس ملک بھر میں سودی نظام کے خاتمے سے متعلق شرعی عدالت میں کیس کی سماعت کے دوران دیئے۔ اس مقدمے کی سماعت چار رکنی بنچ نے کی۔ اس موقع پر چیف جسٹس نے یہ بھی کہا کہ ربا، سود اور انٹرسٹ تین مختلف لفظ ہیں۔ کیا یہ تینوں ہم معنی ہیں یا اُن میں فرق ہے؟ اس سوال سے موصوف کا مقصد ان تینوں الفاظ کا مفہوم و معنی ایک دوسرے سے مختلف باور کرانا تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے یہ کہہ کر کہ ''موجودہ دور میں انٹرسٹ کی تعریف سود نہیں بلکہ نقصان کا ازالہ ہے۔'' اس کی طرف واضح اشارہ بھی فرمادیا۔ یہ وہ مختصر تفصیل ہے جو اس مقدمے کی بابت اخبارات میں شائع ہوئی ہے۔ اس سماعت کے بعد اس کی سماعت غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر دی گئی ہے۔

یہ مقدمہ کیا ہے؟

اس سے قبل کہ ہم اس مقدمے کی ابتدائی سماعت کے وقت محترم چیف جسٹس صاحب کے ریمارکس پر کچھ عرض کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم قارئین کو یہ بتلائیں کہ یہ مقدمہ ہے کیا؟

اس مقدمہ کا پس منظر اور اس کی ضروری روداد بیان کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر حکومت کی وہ بدنیتی یا عدم دلچسپی واضح نہیں ہو سکتی جو پاکستانی حکومت خاتمۂ سود کے لئے اپنی آئینی اور شرعی ذمہ داری کی ادائیگی میں مسلسل پہلوتہی کی صورت میں کرتی آرہی ہے اور اس کی یہ کوتاہی تاحال جاری ہے۔

حکومت کی یہ آئینی اور شرعی ذمہ داری کیوں ہے؟

سود کا خاتمہ، حکومت کی آئینی ذمہ داری اس لئے ہے کہ پاکستان کے تینوں آئینوں: پہلے آئین ۱۹۵۶ء، دوسرے ایوب خان کے آئین ۱۹۶۲ء، اور تیسرے آئین ۱۹۷۳ء میں اس بات کی ضمانت اور اس بات کا عزم ظاہر کیا گیا تھا کہ حکومت پاکستان نظامِ معیشت سے سود کی لعنت کو ختم کرنے کے لئے بھرپور کوشش کرے گی، حکومت جس قدر جلد ممکن ہوسکے، ربا کو ختم کرے گی۔

شرعی ذمہ داری اس لئے ہے کہ قرآن کریم میں سودی نظام پر اصرار اور تسلسل کو اللہ ورسول کے ساتھ جنگ قرار دیا گیا ہے۔ بنابریں کسی بھی مسلمان حکمران کے لئے انسدادِ سود کی کوششوں سے بے اعتنائی کا کوئی جواز نہیں ہے۔

غفلت اور بے اعتنائی کی المناک روداد

۱۹۶۲ء کے آئین کی رو سے قومی سطح پر 'اسلامی نظریاتی کونسل' کے نام سے ایک دستوری ادارہ قائم کیا گیا جس میں تمام مسالک سے تعلق رکھنے والے مستند علمائے کرام کو نمائندگی دی گئی۔ اس ادارے کے منصبی فرائض میں یہ بات شامل کی گئی کہ یہ ادارہ ایسی تجاویز مرتب کرے گا جن پر عمل کرکے پاکستان کے عوام کی زندگیوں کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جاسکے۔ چنانچہ ۳ر دسمبر ۱۹۶۹ء کو اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنی آئینی ذمہ داری کو ادا کرتے ہوئے ایک رپورٹ تیار کی جس میں اتفاقِ رائے سے اس امر کا اظہار کیا گیا کہ

> ''ربا اپنی ہر صورت میں حرام ہے اور شرح سود کی کمی بیشی سود کی حرمت پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ مزید یہ کہ موجودہ بینکاری نظام کے تحت افراد، اداروں اور حکومتوں کے درمیان قرضوں اور کاروباری لین دین میں اصل رقم پر جو اضافہ یا بڑھوتری لی یا دی جاتی ہے، وہ ربا کی تعریف میں آتی ہے۔ سیونگ سرٹیفکیٹس میں جو اضافہ دیا جاتا ہے، وہ بھی ربا میں شامل ہے اور اس کے ساتھ ساتھ صوبوں، مقامی اداروں اور سرکاری ملازمین کو دیے گئے قرضوں پر اضافہ بھی سود ہی کی ایک قسم ہے۔ لہٰذا یہ تمام صورتیں حرام ہیں اور ممنوع ہیں۔''

نظریاتی کونسل کی یہ سفارشات سودی نظام کے خاتمے کے لئے نہایت جامع تھیں اور ایک آئینی ادارہ ہونے کے اعتبار سے یہ ضروری تھا کہ ان سفارشات کو پارلیمنٹ میں پیش کیا جاتا اور اس کے مطابق انسدادِ سود کے لئے مناسب قانون سازی کی جاتی، لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔

کونسل کی مرتب کردہ اس رپورٹ کے ۸ سال بعد ۱۹۷۷ء میں صدر جنرل ضیاء الحق نے کونسل کو ہدایت کی کہ وہ ضروری تحقیق اور تفتیش کے بعد ایسے طریقے بھی تجویز کرے جن کو اپنا کر سود جیسی لعنت کا خاتمہ کیا جاسکے۔ حالانکہ اُصولی طور پر یہ کام پارلیمنٹ کا تھا، کونسل نے تو نہایت جامع انداز سے ایک رپورٹ مرتب کرکے ساری صورت حال واضح کردی تھی۔ بہرحال کونسل نے مزید اتمام حجت کے لئے بنک کے ماہرین، اقتصادیات کے ماہرین اور علماے کرام سے طویل گفتگو اور بحث و مباحثہ کے بعد ۲۵ جون ۱۹۸۰ء کو اپنی رپورٹ صدر ضیاء الحق کے سامنے پیش کردی۔ اس رپورٹ میں سود کو ختم کرکے اس کے متبادل نظام کی جملہ تفصیلات درج تھیں اور کہا گیا کہ ان تجاویز پر عمل درآمد سے دو سال کے اندر اندر پاکستان کی معیشت سود سے مکمل طور پر پاک ہوسکتی ہے لیکن حکومت اور اس پر مسلط کردہ بیورو کریسی نے صدق دلانہ طور پر کونسل کے بتلائے ہوئے طریقہ کار کو تو اختیار نہیں کیا، البتہ اپنے اپنے طور پر کچھ ایسے نیم دلانہ اقدامات کئے جس سے یہ تاثر یا یہ مغالطہ دیا جاسکے کہ حکومت نے اس کام کا آغاز کردیا۔ اور یہ اقدامات وہی تھے جو بنکوں میں غیر سودی کھاتوں کے نام سے بھی ایک ایک شعبہ کھول دیا گیا۔ اوّل تو یہ سودی کھاتوں کے ساتھ ساتھ ایک غیر سودی کھاتے کا نظام بھی، سودی نظام کے خاتمے کے لئے متبادل نظام نہیں تھا۔ دوسرے غیر سودی کھاتے میں نئی اصطلاحات متعارف کرائی گئیں، مثلاً مشارکہ، مضاربہ، مرابحہ اور بیع مؤجل وغیرہ۔ یہ اصطلاحات بظاہر شرعی اور فقہی تھیں جس سے یہ تاثر دیا گیا کہ سودی صورتوں کے مقابلے میں غیر سودی طریقے اختیار کرلئے گئے ہیں۔ تاہم حقیقت اس کے برعکس تھی، یہ صرف ناموں یا اصطلاحات کا ہیر پھیر تھا اور ان کھاتوں کے اندر بھی سودی روح ہی کارفرما تھی۔ چنانچہ نظریاتی کونسل، جس نے بڑی محنت سے سود سے بچاؤ کے طریقے تجویز کرکے حکومت کو دیئے تھے، صورتحال کو دیکھتے ہوئے کہ بقول فیض ؎

یہ داغ داغ اُجالا یہ شب گزیدہ سحر — وہ انتظار تھا جس کا، یہ وہ سحر تو نہیں

ایک نئی رپورٹ تیار کی جس میں اپنی رپورٹ کی پامالی اور ناقدری پر اظہارِ افسوس کرتے ہوئے کہا گیا:

''کونسل نے ۱۹۸۰-۱۹۸۱ء میں کئے جانے والے ان اقدامات کا جائزہ لیا جو حکومت نے اسلامی نظامِ معیشت کے نفاذ کے سلسلے میں انجام دیئے ہیں۔ ان میں خاتمۂ سود کے لئے کیے جانے والے اقدامات ان سفارشات کے بالکل برعکس ہیں جو کونسل نے تجویز کیں۔ حکومت نے وہ طریق کار اختیار کیا جو مقصد کو فوت کرنے کا سبب بن گیا۔''

اس وقت کے بعض ممبران کونسل نے راقم کو بتایا کہ جب صدر ضیاء الحق کے سامنے بعض حضرات نے

شکوہ کیا تو موصوف نے کہا کہ وہ کوشش کریں گے کہ بینکاروں اور سودی خاتمے کی رپورٹ تیار کرنے والوں کی باہم ملاقات کروائیں تاکہ باہم تبادلہ خیالات سے کوئی بہتر صورت نکل سکے لیکن مرحوم صدر کی طرف سے اس تجویز پر عمل درآمد کی کوئی صورت سامنے نہیں آئی۔ اور سودی نظام اپنی جدید اور قدیم صورتوں کے ساتھ جاری وساری رہا۔ اور کونسل کی ساری محنت بھی رائیگاں ہی گئی ؎

دریا سے اُٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی　　　اس موج کے ماتم میں روتی ہے بھنور کی آنکھ

عدالت کے ذریعے سے دوسری کوشش اور حکومت کی وہی ، نہ مانوں ، کی پالیسی

۱۹۹۰ء میں جناب محمود الرحمٰن فیصل نے وفاقی شرعی عدالت میں ایک درخواست دی کہ رائج الوقت سودی نظامِ معیشت کو غیر اسلامی قرار دے کر اس پر پابندی عائد کی جائے اور حکومت کو ہدایت کی جائے کہ پاکستان کے معاشی نظام سے سود جیسی لعنت کا خاتمہ کیا جائے۔ عدالت نے اس کیس اور اس سے ملتے جلتے ۱۱۴ دیگر کیسوں کی مشترکہ سماعت کی۔ اس مقدمے میں شرعی عدالت نے بینکاروں، ماہرین اقتصادیات، حکومتی نمائندوں اور علماء کو تفصیلی طور پر سنا اور موضوع سے متعلقہ تمام اہم مباحث کو زیر غور لایا گیا اور تحریری اور زبانی بیانات حاصل کئے اور اکتوبر ۱۹۹۱ء میں ۱۵۷ صفحات پر مشتمل اپنا تاریخی فیصلہ سنایا۔ فیصلہ کرنے والے اس بنچ میں جسٹس تنزیل الرحمن بطورِ چیف جسٹس، جسٹس فدا محمد خان اور جسٹس عبید اللہ خاں شامل تھے۔

شرعی عدالت نے اپنے فیصلے میں نہ صرف یہ کہ سود کی ایسی تعریف متعین کی جسے معیار بنا کر مروّجہ نظام معیشت میں پائے جانے والے سودی معاملات اور آئین اور دستور میں مذکور سودی دفعات کا جائزہ لیا جاسکتا تھا بلکہ رائج تمام سودی قوانین (۲۲ قوانین) کا جائزہ لے کر بینکنگ سمیت تمام سودی لین دین کو حرام قرار دیا اور وفاقی حکومت اور تمام صوبوں سے بھی کہا کہ وہ ۳۰ر جون ۱۹۹۲ء تک متعلقہ قوانین میں تبدیلی کر لیں اور یہ بھی کہا کہ یکم جولائی ۱۹۹۲ء سے تمام سودی قوانین غیر آئینی ہو جائیں گے اور تمام سودی کاروبار غیر اسلامی ہونے کی بنا پر ممنوع قرار پائے گا۔

یہ تاریخ ساز فیصلہ دستور اور آئین کے تقاضوں کے مطابق بھی تھا اور عوام کی خواہشات کے مطابق بھی۔ اس لئے اس فیصلے کو ہر سطح پر سراہا گیا اور عوام کی اُمنگوں کا مظہر قرار دیا گیا۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ حکومت جو اندرونی اور بیرونی قرضوں میں بری طرح جکڑی ہوئی ہے اور اس سے نکلنے کی کوئی آرزو اور خواہش بھی نہیں رکھتی، علاوہ ازیں اس ظالمانہ نظام سے اس کے اور اس کے حوالی موالیوں کے بہت سے مفادات بھی وابستہ ہیں،

اس کے لئے یہ فیصلہ قطعاً ناقابل قبول تھا اور اُس نے حیلہ پرویزی کے ذریعے سے اس کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ ۳۰؍جون ۱۹۹۲ء کے آنے سے پہلے پہلے مالیاتی اداروں، بینکوں اور بعض افراد نے سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ میں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیلیں دائر کردیں۔ یہ اپیلیں شرعی عدالت کے فیصلے کے نفاذ میں بڑی رکاوٹ بن گئیں۔ چنانچہ حکومت اپنی اس کوشش میں کامیاب رہی اور سات سال تک یہ اپیلیں شریعت اپیلیٹ بنچ کے سرد خانے میں پڑی رہیں۔ بالآخر ۱۹۹۹ء کے اوائل میں سپریم کورٹ میں ایک شریعت اپیلیٹ بنچ تشکیل دیا گیا۔ اس بنچ نے کئی ماہ تک مسلسل ان اپیلوں کی سماعت کی۔

اس پانچ رکنی بنچ میں جسٹس خلیل الرحمن خاں (بطور چیئرمین)، جسٹس وجیہ الدین، جسٹس منیر اے شیخ، جسٹس مفتی مولانا تقی عثمانی اور جسٹس ڈاکٹر محمود احمد غازی شامل تھے۔ معزز عدالت نے سماعت کے دوران مقدمے میں زیر بحث آنے والے اہم فقہی مباحث، معاشی، معاشرتی، قانونی اور آئینی معاملات (ایشوز) پر رہنمائی حاصل کرنے کے لئے فریقین کے وکلا حضرات کے علاوہ ماہرین علم و فن سے بھی اپیل کی کہ وہ زیر بحث مسئلے کے حوالے سے عدالت کی معاونت کریں۔ اس سلسلے میں بنچ نے دس سوالات بھی مرتب کرکے مختلف علماء کو بھیجے، راقم نے بھی ان سوالات کا جواب لکھ کر عدالتِ عظمیٰ کو ارسال کیا تھا، راقم کے یہ جوابات ایک مستقل مضمون کے طور پر 'محدث' کے سود نمبر (مجریہ ستمبر ۱۹۹۹ء) میں شائع ہوچکے ہیں۔ صوبہ خیبر پختونخوا کے مولانا گوہر رحمن نے بھی ان سوالات کے جواب تحریر فرمائے تھے۔ یہ دس سوال نہایت اہمیت کے حامل تھے جس سے مسئلہ زیر بحث کے اہم گوشے واضح ہوجاتے ہیں اور صحیح رہنمائی بھی حاصل ہوجاتی ہے۔ علاوہ ازیں پاکستان کے علاوہ اسلامی دنیا کے متعدد نامور محققین اور قانون دان حضرات نے فاضل عدالت کی رہنمائی کرتے ہوئے اپنی آرا اور تجاویز سے تحریری طور پر اور زبانی بھی مستفید کیا اور جدید و قدیم معاشی کتب و جرائد کے علمی ذخیرے سے اہم اقتباسات کی نقول عدالت کے روبرو پیش کیں۔

اس سارے مواد کی چھان پھٹک اور علما و وکلا کی بحثوں کی سماعت کرنے کے بعد سپریم کورٹ کے مذکورہ بنچ نے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو عمومی طور پر درست قرار دیتے ہوئے جدید بینکاری سمیت تمام دیگر سودی قوانین کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ممنوع اور حرام قرار دے دیا اور حکومت کو مزید مہلت دیتے ہوئے ہدایت جاری کی کہ وہ جون ۲۰۰۱ء تک تمام غیر اسلامی قوانین کو نئے قوانین سے بدل کر بینکنگ اور دیگر معاشی معاملات کو سود سے پاک کردے۔

وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے بعد، جو اکتوبر ۱۹۹۱ء میں منظر عام پر آیا تھا، یہ دوسرا نہایت اہم فیصلہ تھا جو

آٹھ سال کے بعد سامنے آیا۔ دونوں موقعوں پر علما اور صحیح الفکر وکلا کی طرف سے بھرپور دلائل پیش کئے گئے اور فاضل عدالت کی طرف سے کئے گئے سوالات کے مدلل جوابات دیئے گئے جن سے مزید بہت سے پہلو منقح اور واضح ہوئے اور پہلے مقدمے کی طرح اس دوسرے مقدمے میں بھی فاضل عدالت کے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہ رہا کہ وہ سود کی ممانعت کا قطعی فیصلہ صادر کردے۔

حکومت کی بدنیتی اور گریزپائی

لیکن بدنیتی اور گریزپائی کا تو کسی کے پاس بھی علاج نہیں ہے اور جب ایک فریق یہ تہیہ ہی کرلے کہ اس نے کسی صورت بھی موجودہ ظالمانہ نظام کو بدلنا نہیں ہے تو عدالتی فیصلے اس کے لئے کیا حیثیت رکھتے ہیں جبکہ یہ فریق ہمہ مقتدر بھی ہو۔ چنانچہ اس دوسرے نہایت اہم فیصلے کے بعد اس کو بھی Torpedo کرنے کی سازش تیار کرلی گئی۔ اور جون ۲۰۰۱ء آنے سے پہلے پہلے حکومت نے ایک درخواست شریعت بنچ کے سامنے دائر کی جس میں یہ استدعا کی گئی کہ سودی نظام کو ختم کرنے کے لئے مزید دو سال کی مہلت دی جائے۔ عدالت نے اس درخواست کی بنیاد پر حکومت کو ایک سال کی مزید مہلت دیتے ہوئے کہا کہ وہ جون ۲۰۰۲ تک مطلوبہ آئینی وانتظامی اقدامات مکمل کرلے۔

اگر حکومت انسداد سود کے لئے عملی اقدامات کرنے کی خواہش مند ہوتی تو یقیناً وہ اس مہلت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے عملی اقدامات بروئے کار لانے کا اہتمام کرتی لیکن اُس نے اس کی طرف ایک قدم بھی نہیں اٹھایا بلکہ جب عدالت کی دی ہوئی مہلت ختم ہونے کے قریب آئی تو ایک نجی بینک UBL کی جانب سے نظرثانی کی ایک درخواست عدالتِ عظمیٰ میں پیش کردی گئی۔

انھی ایام میں یہ المیہ بھی ہوا یا عمداً ایسا کیا گیا کہ شریعت اپیلیٹ بنچ کے جن ارکان نے فیصلہ دیا تھا، ان میں سے چار جج فارغ کردیئے گئے اور صرف ایک جج جسٹس منیر اے شیخ باقی رہ گئے تھے۔ اب نظرثانی کی اپیل کی سماعت جس بنچ نے کرنی تھی، وہ حسب ذیل ارکان پر مشتمل تھی:

جسٹس شیخ ریاض احمد (چیئرمین) — جسٹس وقاص محمد فاروق

جسٹس ڈاکٹر خالد محمود اور جسٹس رشید احمد جالندھری

آخر الذکر دو فاضل جج، جو علما کی نشست پر براجمان کئے گئے، ان کا اسلامی کردار ہر دور میں محل نظر ہی رہا ہے، جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں، تاہم واقفِ حال حضرات سے مخفی نہیں۔ بہر حال اس بنچ نے مقدمے کی

از سر نو سماعت کی اور وہ تمام مباحث جن پر پہلے تفصیلی بحث ہو چکی تھی اور وہ گویا طے شدہ تھے، دوبارہ زیر غور لائے گئے اور بینک کے وکلا اور سرکاری وکلا کو خلط مبحث کا پورا موقع دیا گیا تاکہ بحث کا وہ رخ، جو اس سے پہلے دو مقدموں میں واضح طور پر متعین ہو چکا تھا، اس کو غلط رخ پر موڑا جاسکے اور ڈور کے سلجھے ہوئے سرے کو اُلجھا دیا جائے کہ اس کا سرا ہاتھ ہی نہ آئے، یا صحیح رخ پر جاتی گاڑی کی پٹڑی بدل دی جائے تاکہ وہ پٹڑی سے ہی اُتر جائے یا اپنی اصل منزل مقصود پر نہ پہنچ پائے۔

اگرچہ صحیح الفکر علما اور وکلا نے بھی عدالت کے سامنے اپنے دلائل پیش کئے، انہوں نے بالخصوص حسب ذیل اُمور پر زور دیا:

☆... موجودہ بنچ کی تشکیل آئین کے ضوابط کے مطابق نہیں۔

☆... نظر ثانی کے معاملے میں عدالت کے اختیار بہت محدود ہوتے ہیں۔

☆... جن قوانین، ضوابط اور حقائق کا جائزہ، فیصلہ دینے والی عدالتِ عظمیٰ تفصیل سے لے چکی ہو، اُنہیں نظر ثانی کی آڑ میں دوبارہ نہیں اُٹھایا جاسکتا۔

☆... مذکورہ فیصلہ کے مخالف وکلا نے جن اُمور کو نظر ثانی کی بنیاد بنایا ہے، ان سب پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے اور تمام بحث کے بعد ہی سابقہ فیصلے صادر کئے گئے تھے۔

☆... یہ دلیل بھی پیش کی گئی کہ سپریم کورٹ کے فیصلے پر جزوی عمل ہو چکا ہے، اب قانون اس پر نظر ثانی کی اجازت نہیں دیتا۔

یہ پانچ نکتے جو اسلامی ذہن رکھنے والے وکلا نے اُٹھائے، نہایت اہمیت کے حامل تھے۔ اگر نظر ثانی کی یہ اپیل ایک سازش نہ ہوتی اور بنچ کی تشکیل میں بھی خفیہ مقاصد کار فرما نہ ہوتے تو ان نکتوں کی بنیاد پر نئی بحثوں کو کالعدم قرار دے کر اور سابقہ دو فیصلوں کے طے شدہ امور کو تسلیم کر کے بجا طور پر نظر ثانی کی اپیل کو نامنظور اور سابقہ فیصلوں کی بحالی کا فیصلہ کیا جا سکتا تھا لیکن یہ سارا ڈرامہ رچایا ہی اس لئے گیا تھا کہ حکومت سود کے ظالمانہ نظام سے چھٹکارا حاصل کرنا ہی نہیں چاہتی۔ چاہے فوجی حکومت ہو یا سویلین حکومت، دونوں ہی قسم کے حکمران اَغیار کے کسے ہوئے شکنجے سے نکلنے کا کوئی عزم ہی نہیں رکھتے۔ ۱۹۹۱ء میں جب پہلا فیصلہ آیا تھا، نواز شریف وزارتِ عظمیٰ پر براجمان تھے۔ اس کے بعد یہ فیصلہ تعطل کا شکار رہا، یہ دور بے نظیر کی وزارتِ عظمیٰ کا تھا۔ ۱۹۹۹ء میں جب دوسرا فیصلہ آیا تو پرویز مشرف کی فوجی حکومت تھی۔

اب کے بھی دن بہار کے یوں ہی گزر گئے!

بہر حال چند دن کی سماعت کے بعد نظر ثانی کے لئے تشکیل کردہ بنچ نے انتہائی عجلت میں ۲۴ جون ۲۰۰۲ء کو اپنا فیصلہ سناتے ہوئے شریعت اپیلیٹ بنچ کا فیصلہ منسوخ کر دیا اور مقدمے کو از سر نو سماعت کے لئے دوبارہ وفاقی شرعی عدالت میں بھیجنے کے احکامات صادر کر دیئے۔ اس طرح اس عدالت نے طویل کوششوں اور جاں گسل محنتوں پر پانی پھیر دیا اور انسدادِ سود کا یہ دوسرا فیصلہ بھی کالعدم قرار پا گیا۔

شرعی عدالت کا سرد خانہ

اب تیسری مرتبہ یہ کیس پھر شرعی عدالت کے سپرد ہو گیا۔ پہلا فیصلہ جو ۱۹۹۱ء میں شرعی عدالت کی طرف سے آیا تھا، جسے تسلیم نہیں کیا گیا، وہ ۱۹۹۹ء تک سپریم کورٹ کے سرد خانہ میں پڑا رہا، جب اس کی طرف سے دوسری مرتبہ فیصلہ آیا جس میں پہلے فیصلے ہی کی توثیق کی گئی تھی، اسے بھی نظر ثانی کے نام پر سبوتاژ کر دیا گیا اور اسے پھر شرعی عدالت میں بھیج دیا گیا۔ اس کیس کو پھر سرد خانے کی نذر کر دیا گیا۔ بالآخر بعض حضرات کی کوششوں سے ۲۲/ اکتوبر ۲۰۱۳ء سے اس مقدمے کی سماعت کا آغاز کیا گیا۔

پہلی سماعت کے بعد دوسری سماعت پر شرعی عدالت نے بتایا کہ ایک سوال نامہ تمام درخواست گزاروں، ماہرین قانون، علما اور ماہرین اقتصادیات کو ارسال کیا جائے گا جس کی روشنی میں ڈیمانڈ کردہ اس کیس پر بحث کی جائے گی۔ چنانچہ ۱۴ سوالات پر مشتمل ایک سوال نامہ شرعی عدالت کی طرف سے بذریعہ مراسلہ و اخباری اطلاعات بھیجا گیا اور کہا گیا کہ اس کا جواب تیار کر کے ۵ نومبر تک شرعی عدالت کے رجسٹرار کو ارسال کیا جائے۔

یہ ۱۴ سوالات بحث کو اُلجھانے ہی کا ایک حربہ تھا کیونکہ اس قسم کا ایک سوال نامہ جو دس سوالوں پر مشتمل تھا، سپریم کورٹ نے بھی مختلف علما کو ارسال کیا تھا جس کا نہایت معقول اور مدلل جواب علما نے دیا تھا۔ اس کے بعد اس قسم کے سوالات کی قطعاً ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ ان سوالات اور جوابات سے بحث کے نہایت اہم گوشے واضح ہو چکے تھے اور سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ نے ان کی روشنی ہی میں اپنا فیصلہ صادر کیا تھا۔ بہر حال ان ۱۴ سوالات کے جوابات بھی وفاقی شرعی عدالت کو بہت سے اہل علم[1] نے ارسال کر دیئے تھے لیکن اس کے باوجود شرعی عدالت میں یہ مقدمہ زیر بحث نہیں آسکا۔ اس دوران ایک دو مرتبہ بعض حضرات

---

۱ ملی مجلس شرعی، پاکستان کی طرف سے جوابات پر مشتمل کتابچہ اور تنظیم اسلامی کی طرف سے حافظ عاطف وحید کا تحریر کردہ کتابچہ بنام: ''انسدادِ سود کا مقدمہ''

کی طرف سے کوششیں بھی کی گئیں لیکن ان میں کامیابی نہیں ہوئی۔

چوتھی مرتبہ شرعی عدالت میں اور ہوا کا رخ

اب اپریل ۲۰۱۷ء میں چوتھی مرتبہ وفاقی شرعی عدالت میں اس کیس کی سماعت شروع ہوئی اور پہلی سماعت کے بعد بحث غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر دی گئی ہے۔ معلوم نہیں اب اس کا دوبارہ آغاز کب ہو گا اور کس طرح ہو گا؟ ہوا کا رخ تو کسی خطرناک طوفان کی نشاندہی کر رہا ہے اور چیف جسٹس صاحب کے تیور اور سوالات کا انداز بھی اس کی غمازی کر رہا ہے۔ اللہ خیر کرے!

اخباری رپورٹ میں چیف جسٹس صاحب کے جو ریمارکس شائع ہوئے ہیں، وہ کسی طرح بھی شرعی عدالت کے چیف جسٹس کے شایانِ شان نہیں ہیں۔ ان میں ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت کی معیشت آج سے مختلف تھی، آج اس کو کیسے نافذ کیا جا سکتا ہے؟

یہ بات تو وہ لوگ کہتے ہیں جو آج کے دور میں اسلام کو ناقابل عمل قرار دیتے ہیں اور ان کی دلیل بھی یہی ہوتی ہے کہ آج کا معاشرہ اور حالات اسلام کے ابتدائی بدوی معاشرے سے مختلف ہیں۔ اسلام کی تعلیمات آج کے معاشرے میں نافذ نہیں ہو سکتیں۔ کیا فاضل چیف صاحب بھی یہی سمجھتے ہیں؟ ان کے بیان سے تو ان کا یہی موقف واضح ہو رہا ہے۔ اور یہ موقف اتنا کمزور، پھس پھسا اور بے بنیاد ہے جس سے پاکستان کا مقصدِ وجود ہی محل نظر قرار پاتا ہے اور آئین پاکستان میں جن دفعات میں قرآن و سنت کے نفاذ اور حکومت کو ان کے نفاذ کا پابند بنایا گیا ہے، وہ بھی بے مقصد اور محض نمائشی قرار پاتی ہیں۔ کیا یہ تاثر صحیح ہو گا؟ اگر یہ صحیح ہے تو پھر شرعی عدالت کے قیام کا بھی کیا جواز ہے؟

دوسری بات فاضل موصوف نے یہ فرمائی کہ ربوٰ، سود اور انٹرسٹ کی تعریف ہی متعین نہیں ہے، اس لئے پہلے ان کا معنی و مفہوم متعین ہونا چاہئے۔ حالانکہ پہلے دو فیصلوں میں ان الفاظ کے معنی و مفہوم اور مصداق پر مفصل بحثیں ہو چکی ہیں جن میں یہ طے پا چکا ہے کہ ان سب کا مصداق ایک ہی ہے اور وہ ربو کی وہ صورت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں حرام قرار دیا ہے۔

ربوٰ عربی زبان کا لفظ ہے، اس کا ترجمہ / متبادل لفظ فارسی میں سود ہے اور اُردو زبان میں بھی یہی لفظ ربوٰ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ 'انٹرسٹ' انگریزی زبان کا لفظ ہے جو ربوٰ کے ہم معنی ہی ہے۔ ایک لفظ کے مختلف زبانوں کے اعتبار سے الگ الگ ناموں کا ایک دوسرے سے معنی و مفہوم میں مختلف ہونا ضروری نہیں۔ عموماً

سب زبانوں میں مستعمل الفاظ کا مفہوم و مطلب ایک ہی ہوتا ہے۔

یہ ریمارکس خلط مبحث یا اصل بحث سے گریز کی ایسی صورت ہے جو فاضل عدالت کے فاضل جج سے متوقع نہیں۔ علاوہ ازیں پھر موصوف نے انٹرسٹ کا مفہوم بھی خود بیان فرما کر سود کے جواز کی طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ انٹرسٹ کا مطلب موجودہ دور میں سود نہیں بلکہ نقصان کا ازالہ سمجھا جاتا ہے۔ اگر فاضل موصوف کی اس بات کو درست سمجھ لیا جائے تو سود کے جواز اور عدم جواز کی بحث ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اور اگر موصوف اپنے اس موقف پر ہی قائم رہتے ہیں جو کہ یکسر غلط اور بے بنیاد ہے تو پھر اس بنچ کی طرف سے جو فیصلہ آسکتا ہے، وہ محتاجِ وضاحت نہیں۔

پس چہ باید کرد؟

اس صورت حال میں اہل دین کی کیا ذمہ داری ہے جو ملک کو سود جیسی لعنت سے پاک دیکھنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے کوشاں بھی ہیں۔ اس سلسلے میں پہلے قانونی و آئینی ماہرین سے مشاورت کرکے شرعی عدالت کے موجودہ بنچ کے بارے میں غور ہونا چاہئے کہ یہ بنچ آئینی ضابطے کے مطابق ہے؟ اگر یہ بنچ ہی آئینی تقاضوں کے مطابق نہیں ہے تو اس بنچ کو اس مقدمے کی سماعت کا حق ہی حاصل نہیں ہے۔ چہ جائیکہ اس کے فیصلے کو قانونی حیثیت حاصل ہو۔

شرعی عدالت کے بارے میں آئین کیا کہتا ہے؟

یہ مسئلہ اس لئے نہایت قابل غور اور بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ شرعی عدالت کے ابتدائی سالوں میں حد رجم کا مسئلہ زیر بحث رہا تھا اور اس وقت جسٹس آفتاب حسین شرعی عدالت کے سربراہ تھے، اس وقت عدالت کے سربراہ کو چیف جسٹس نہیں بلکہ چیئرمین کہا جاتا تھا۔ گویا جسٹس آفتاب حسین کی چیئرمینی میں مسئلہ حد رجم پر بحث ہوئی۔ یہ صاحب بھی منحرف ذہن کے حامل تھے، اس لئے عدالت نے فیصلہ دے دیا کہ اسلام میں رجم کی کوئی حد نہیں۔

ظاہر بات ہے کہ یہ فیصلہ متواتر احادیث اور اجماعِ اُمت کے یکسر خلاف تھا۔ اس لئے اس فیصلے پر شدید احتجاج کیا گیا جس سے مجبور ہو کر صدر ضیاء الحق نے شرعی عدالت کے آئین میں یہ ترمیم کردی کہ عدالت میں دیگر ججوں کے ساتھ تین علما بھی شرعی عدالت میں بطورِ جج لازمی ہوں گے اور اس کے مطابق تین علما کو جج نامزد بھی کیا گیا۔ ان میں ایک غالباً شفاعت حسین قادری تھے، دوسرے پیر کرم شاہ ازہری اور تیسرے ڈاکٹر فدا محمد خان۔ بعد

میں مولانا تقی عثمانی صاحب بھی اس کے جج رہے۔ اس نئے بنچ کی تشکیل کے بعد مسئلہ حدرجم پر دوبارہ بحث ہوئی جس میں راقم نے بھی اپنا بیان دیا تھا، اور پھر فاضل عدالت نے نیا فیصلہ دیا جس میں رجم کو حد شرعی تسلیم کیا گیا۔

اس تفصیل سے مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ سب سے پہلے شرعی عدالت کے اس بنچ کی آئینی حیثیت پر غور کیا جائے جو اس مقدمے کی سماعت کے لئے بنا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ دوبارہ حدرجم جیسا غیر شرعی فیصلہ سامنے آجائے۔ اگر بنچ میں تین علما بطور جج شامل ہوں گے جیسا کہ آئینی تقاضا ہے تو اُمید ہے کہ بحث کا رخ صحیح ہوگا اور شریعت کے واضح احکام سے انحراف کا امکان بہت کم ہو جائے گا۔

فاضل عدالت سے گزارش

دوسری گزارش ہم فاضل عدالت کے فاضل ممبران سے کریں گے کہ اس مقدمے کا دو مرتبہ ایسا فیصلہ ہو چکا ہے جو قرآن وحدیث کے واضح دلائل پر مبنی ہے اور پورے ملک میں اس کو سراہا گیا ہے۔ اب اگر شوقِ اجتہاد میں اس سے انحراف کیا گیا تو ایک تو یہ قرآن کی بیان کردہ تمثیل کی روشنی میں اس عورت کے کردار کی طرح ہوگا جو سوت کاتنے کے بعد خود ہی اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایسے کردار سے منع فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا ﴾ [النحل:92]

''اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت مضبوط کرنے کے بعد ٹکڑے کر کے توڑ ڈالا۔''

اللّٰہ تعالیٰ نے موجودہ بنچ کو ایک نہایت اہم موقع عطا فرمایا ہے۔ وہ اس سے فائدہ اُٹھا کر سابقہ فیصلوں کی توثیق کر کے ایک بہت بڑی سعادت اور عظیم سرخروئی حاصل کر سکتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہوا اور جسٹس آفتاب حسین جیسا فیصلہ صادر ہوا تو اہل پاکستان کے لئے وہ اسی طرح ناقابل قبول ہوگا جیسے فاضل عدالت کے حدرجم کی بابت غیر اسلامی فیصلے کو رد کر دیا گیا تھا۔ ہماری خواہش اور دعا ہے کہ فاضل عدالت کی طرف سے مذکورہ فیصلے کا اعادہ نہ ہو بلکہ اسلامیانِ پاکستان کے جذبات کا اسی طرح آئینہ دار ہو جیسے سابقہ دونوں فیصلے تھے۔

اللهم وفقنا وإياهم لما تحب وترضى... آمین !

(حافظ صلاح الدین یوسف)
مشیر وفاقی شرعی عدالت، پاکستان

اسلامی بینکاری؛ علمائے کرام سے دردمندانہ گزارشات

ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی

یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ پاکستان کے بااثر، مال دار اور فیصلہ ساز طبقے نہیں چاہتے کہ پاکستان میں اسلامی نظامِ معیشت وبینکاری شریعت کی روح کے مطابق نافذ ہو اور معیشت سے سود کا خاتمہ ہو کیونکہ اس سے ان کے ناجائز مفادات پر کاری ضرب پڑے گی مگر ملک کے کروڑوں افراد کی قسمت بہر حال بدل جائے گی۔

ربٰوا(سود) کا مقدمہ گزشتہ ۲۵ برسوں سے زیر سماعت ہے جہاں شرعی عدالتوں میں عالم جج بھی موجود رہے ہیں۔ سپریم کورٹ کی شریعت اپلیٹ بینچ نے ۲۳؍دسمبر ۱۹۹۹ء کو ربٰوا کے مقدمے میں ایک تاریخ ساز فیصلہ دیا تھا جس پر عمل درآمد سے اسلامی نظامِ بینکاری کے نفاذ کی طرف تیزی سے پیش قدمی ہو سکتی تھی، ہم نے بھی اس مقدمہ میں سپریم کورٹ کی معاونت کی تھی۔ اس فیصلے کو پہلا جھٹکا اس وقت لگا جب سپریم کورٹ نے جون ۲۰۰۱ء میں یہ فیصلہ دیا کہ دسمبر ۱۹۹۹ء میں دیے گئے فیصلے پر عمل درآمد کی مدت جون ۲۰۰۱ء سے بڑھا کر ۳۰؍جون ۲۰۰۲ء ہو گی لیکن توسیع کا فیصلہ دینے سے پہلے حکومت سے یہ تحریری یقین دہانی حاصل نہیں کی کہ وہ دسمبر ۱۹۹۹ء کے فیصلے کو تسلیم کرتے ہیں اور جون ۲۰۰۲ء تک اس فیصلے پر عمل درآمد کرنے کے پابند ہیں۔ بلکہ فیصلے میں یہ لکھا کہ ہمیں حکومت کے خلوص پر شبہ نہیں ہے، حالانکہ ہم لکھ چکے تھے کہ حکومت نے فیصلہ کرلیا ہے کہ اس فیصلے پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

پھر سپریم کورٹ نے، جس میں دو عالم جج بھی شامل تھے، حیرت انگیز تیز رفتاری سے 30؍جون ۲۰۰۲ء کی مدّت ختم ہونے سے چند روز پہلے سود کو حرام قرار دینے کے فیصلے کو ہی منسوخ کر کے مقدمہ از سرِ نو سماعت کے لیے دوبارہ وفاقی شرعی عدالت کو بھیج دیا جو پہلے ہی ۱۴؍نومبر ۱۹۹۱ء کو سود کو حرام قرار دے چکی تھی۔ اب 25 برس کا عرصہ گزرنے کے باوجود شرعی عدالتیں یہ حتمی فیصلہ نہیں دے سکیں کہ موجودہ بینکنگ سود اسلام میں حرام ہے یا نہیں؟ وفاقی شرعی عدالت جس میں عالم جج بھی موجود ہوتے ہیں، نے ۱۴ برس سے زائد کا عرصہ گزرنے کے باوجود فیصلہ ہی نہیں دیا۔

کچھ عرصہ قبل اسٹیٹ بینک نے موجودہ حکومت کے دور میں شرعی عدالت میں یہ موقف اختیار کیا تھا کہ اسلام میں موجودہ بینکنگ سود حرام نہیں ہے، حالانکہ اسٹیٹ بینک میں ایک ڈپٹی گورنر برائے اسلامک بینکنگ

تعینات ہیں اور اسٹیٹ بینک کے شریعہ بورڈ کے چیئرمین ایک ممتاز ترین عالم دین ہیں۔

ایک اور انتہائی تشویش ناک بات یہ ہے کہ ۴؍ستمبر ۲۰۰۱ء کو ایک اعلیٰ سطح کے اجلاس میں یہ قطعی غیر اسلامی فیصلہ کیا گیا تھا کہ سپریم کورٹ کے اس فیصلے پر عمل نہیں کیا جائے گا جس کے مطابق ۳۰؍جون ۲۰۰۲ء تک اسلامی بینکاری مکمل طور سے نافذ ہونا ہے بلکہ بینکاری کا متوازی نظام نافذ کیا جائے گا یعنی ملک میں سودی بینک اور روایتی بینک غیر معینہ مدت تک ساتھ ساتھ کام کرتے رہیں گے، چنانچہ سودی نظام کو دوام مل جائے گا۔ اس بات کے مستند دستاویزی ثبوت موجود ہیں کہ اس غیر اسلامی اور سودی نظام کو دوام بخشنے والے اس فیصلے میں اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین جو عالم دین بھی ہیں، اس کونسل کے کچھ ممبران، ایک ممتاز عالم دین جو سپریم کورٹ کی شریعت اپلیٹ بینچ میں عالم جج کی حیثیت سے خدمات انجام دے چکے تھے اور بعد میں اسٹیٹ بینک کے شریعہ بورڈ کے چیئرمین بھی رہے اور اسٹیٹ بینک کے سابق اور اس وقت کے گورنر بھی شامل تھے۔

یہ بات بھی نوٹ کرنا اہم ہے کہ سپریم کورٹ کے عالم جج کی حیثیت سے اسلامی نظام بینکاری کے نفاذ کے لیے صرف جون ۲۰۰۲ء تک مہلت دینے والے محترم عالم دین جو اسلامی بینکاری کے مسائل کو سمجھتے ہیں، اب ۲۰۱۷ء میں بھی اسٹیٹ بینک کے شریعہ بورڈ کے چیئرمین کی حیثیت سے غیر اسلامی متوازی نظام بینکاری کے غیر معینہ مدت تک جاری رہنے کے عمل میں فیصلہ کن کردار ادا کر رہے ہیں جس سے سودی نظام کو دوام مل رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق دی کہ پاکستان میں سب سے پہلے ہم نے کہا تھا کہ

(الف) پاکستان نے متوازی بینکاری کا جو نظام نافذ کیا ہے، وہ غیر اسلامی ہے۔

(ب) اسلامی بینک بھی سودی بینکوں کی طرح اپنے کھاتے داروں کا استحصال کر رہے ہیں اور اس متوازی نظام کی موجودگی میں اگر کبھی چاہیں بھی تو اس استحصال کو ختم نہیں کر سکیں گے۔

(ج) ان فیصلوں سے جن میں علما بھی شامل رہے ہیں، پاکستان میں سودی نظام کو دوام مل گیا ہے۔

(د) پاکستان میں کام کرنے والے اسلامی بینکوں کو اسلامی بینک کہا ہی نہیں جا سکتا۔

گزشتہ 10 برسوں میں ان حقائق کو وقتاً فوقتاً ہم مروّجہ اسلامی بینکاری کی خامیاں بتلاتے ہوئے اصلاحی تجاویز بھی دیتے رہے ہیں۔ علما اور ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ اسلامی بینکاری کا نظام نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد پر استوار ہو گا۔ بدقسمتی سے پاکستان میں معیشت دستاویزی نہیں ہے، کالے دھن کا حجم بہت زیادہ ہے، کرپشن عام ہے، ٹیکسوں کا نظام غیر منصفانہ ہے اور افراد اور ادارے عموماً اپنا صحیح منافع ظاہر نہیں کرتے، چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ عبوری مدت میں اور مجبوری کی حالت میں مرابحہ واجارہ وغیرہ کا طریقہ استعمال کیا

جائے اور مشارکہ کے ذریعے سرمائے کی فراہمی بڑھائی جائے لیکن اس اجازت کا بڑے پیمانے پر غلط استعمال ہوا اور اب 'عبوری' کا لفظ حذف کر دیا گیا ہے۔

بدقسمتی سے مندرجہ بالا معاملات میں بہتری کے لیے اصلاحی اقدامات اُٹھانے کے بجائے وفاقی شرعی عدالت کی جانب سے سود کے مقدمے کا ۱۴برس تک فیصلہ نہ آنے کی وجہ سے جو وقت ملا، اس میں ملکی معیشت، سودی و اسلامی بینکاری کو جس طرح چلایا گیا، ملک کے داخلی قرضوں کو جس تیز رفتاری سے بڑھایا گیا اور ٹیکسوں کے نظام کو اتنا بگاڑا گیا کہ ملک میں اسلامی بینکاری کے لیے ماحول مزید معاندانہ ہو گیا۔ وزارتِ خزانہ بھی اس بات سے اتفاق کرے گی کہ اس صدی کے آخر تک بھی پاکستانی معیشت سے سود کا خاتمہ ہوتا نظر نہیں آرہا۔

یہ امر تشویش ناک ہے کہ گزشتہ برسوں میں اسلامی بینک بھی بڑے پیمانے پر سودی کاروبار میں ملوّث ہو گئے ہیں۔ چند حقائق یہ ہیں:

① ہم نے ۲۲/ اکتوبر ۲۰۱۵ء کے اپنے کالم میں لکھا تھا کہ مولانا تقی عثمانی کی سربراہی میں صکوک کی بیع موٴجل پر مبنی ایک نئی پروڈکٹ کی منظوری دی جس کے تحت ۲۰۰ ارب روپے سے زائد رقوم پر اسلامی ملکوں کو ملنے والی آمدنی سودی آمدنی تھی چنانچہ اسلامی بینکوں نے اس آمدنی میں سے جو منافع اپنے کھاتے داروں کو دیا تھا، وہ سود ہی تھا۔

② بیشتر اسلامی بینکوں نے 'رواں مشارکہ' کے نام سے ایک نئی پروڈکٹ متعارف کرائی ہے جس میں بلاشبہ سود کی آمیزش ہے مگر علما خاموش ہیں۔

③ بینک اسلامی کے ۲۰۱۵ء کے آڈٹ شدہ سالانہ گوشوارے میں کہا گیا ہے کہ اُنہوں نے ایک سودی بینک کو خرید کر اس کا انتظام سنبھال لیا ہے اور سودی بینک کو اپنے اندر ضم کرنے سے جو غیر معمولی حالات پیدا ہوئے ہیں، ان کی وجہ سے بینک اسلامی کے شریعہ بورڈ نے اجازت دی ہے کہ ٦ ماہ تک اس سودی بینک کی آمدنی واخراجات کو بینک اسلامی کی کتابوں میں 'قرطینہ' میں رکھیں۔ شریعہ بورڈ کے اس غیر اسلامی فیصلے پر اسٹیٹ بینک کا شریعہ بورڈ اور علماء و مفتی خاموش ہیں۔ بینک اسلامی کے شریعہ بورڈ کے اس غیر اسلامی فیصلے کی تفصیلات کا تو یہ کالم متحمل نہیں ہو سکتا۔ بینک اسلامی ایک منافع بخش بینک تھا اور اس نے ایک سودی بینک صرف اس لئے خریدا کہ آنے والے برسوں میں اس کا کاروبار اور منافع یقیناً بڑھے گا۔ اب خدشہ یہ ہے کہ سود سے اجتناب کرنے والے تجارتی ومالیاتی ادارے اس مثال کو سامنے رکھتے ہوئے اپنا منافع بڑھانے کے لیے کم از کم ایک مرتبہ سودی بنیاد پر قرضہ لے سکتے ہیں۔ ہم دعا گو ہیں کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں قابل احترام علماء و مفتیانِ کرام اور ماہرین اس انتہائی اہم معاملے پر اپنی آرا اور فتویٰ دے کر اپنی دینی ذمہ داری پوری کریں۔

احکام و مسائل

[قسط اوّل]

رمضان المبارک کے مسنون انفرادی و اجتماعی اعمال

ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

رمضان المبارک ایسا عظیم اور بابرکت مہینہ ہے جس میں مسلمانوں کے دل اللہ کی بندگی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس ماہ میں شیاطین کی جکڑبندی، بارانِ رحمت کے نزول، روزے کی کیفیت اور تراویح وغیرہ میں قرآن کریم پڑھنے پڑھانے سے ماحول پر تقدس کی فضا چھا جاتی اور نیکیوں کی طرف توجہ بڑھ جاتی ہے۔ اس ماہ میں انفرادی اور اجتماعی طور پر بھی بہت سے نیک اعمال انجام دیے جاتے ہیں۔

ذیل کے دو حصوں میں باری باری ہر دو قسم کے اعمال کی شرعی اور مسنون حیثیت پیش کی جائے گی:

حصہ اوّل: انفرادی مسنون اعمال

۱۔ قرآنِ کریم اور رمضان المبارک

قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ [البقرۃ:۱۸۵]

''رمضان کا مہینہ جس میں قرآن نازل کیا گیا۔''

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝﴾

''ہم نے قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا، اور آپ کیا جانیں کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟ لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔'' [القدر:۱-۳]

نبی کریم ﷺ کے معمولات کے حوالے سے احادیث میں آتا ہے کہ رمضان میں آپ ﷺ قرآن کریم کا دور فرمایا کرتے، وفات والے سال آپ نے دوبار دور فرمایا:

«أَنَّ جِبْرِيلَ كَانَ يُعَارِضُهُ بِالْقُرْآنِ كُلَّ سَنَةٍ مَرَّةً، وَإِنَّهُ قَدْ عَارَضَنِي بِهِ الْعَامَ مَرَّتَيْنِ...»[1]

''جبریل علیہ السلام ہر سال مجھ سے سال میں ایک مرتبہ دور کیا کرتے تھے لیکن اس سال مجھ سے اُنہوں

۱ صحيح البخاري: كِتَابُ الِاسْتِئْذَانِ، بَابُ مَنْ نَاجَى بَيْنَ يَدَيِ النَّاسِ، رقم ۶۲۸۵

نے دو مرتبہ دور کیا..."

'عرضہ' سے کیا مراد ہے؟ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

والمراد من معارضته له بالقرآن كل سنة مقابلته على ما أوحاه إليه عن الله تعالىٰ ليبقي ما بقي ويذهب ما نسخ توكيدا واستثباتا وحفظا. ولهذا عارضه في السنة الأخيرة من عمره عليه السلام على جبريل مرتين وعارضه به جبريل كذلك[1]

"آپ کے ہر سال معارضہ (ایک دوسرے کو پیش کرنے) سے مراد یہ ہے کہ جبریل نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو آپ پر وحی کی، اس کا تقابل کرنا۔ تاکہ جو باقی ہے وہ قائم رہے، اور جو منسوخ ہو چکا، اس کو ترک کر دیا جائے، تاکید، پختگی اور یاددہانی کے طور پر۔ اسی بنا پر نبی کریم ﷺ کی عمر کے آخری سال آپ نے جبریل پر اس کا دوبار عرضہ کیا اور جبریل نے قرآن کا عرضہ ایسے ہی کیا۔"

آپ ﷺ کا فرمان سیدنا عبد اللہ بن عمرو نے روایت کیا ہے:

«الصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَقُولُ الصِّيَامُ: أَيْ رَبِّ، مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ، فَشَفِّعْنِي فِيهِ، وَيَقُولُ الْقُرْآنُ: مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ، فَشَفِّعْنِي فِيهِ»، قَالَ: «فَيُشَفَّعَانِ»[2]

"روزہ اور قرآن بندے کے لئے روزِ قیامت سفارش کریں گے، روزہ کہے گا: یاربّ! میں نے دن کو کھانے اور خواہشات سے اسے روکے رکھا، میری سفارش اس کے بارے میں قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا: میں اسے رات کو سونے سے روکے رکھا، تو میری سفارش قبول فرما۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی۔"

اور قرآن میں سے سورۃ الملک کی سفارش اس حدیث میں مذکور ہے:

«سُورَةٌ مِنْ الْقُرْآنِ ثَلَاثُونَ آيَةً تَشْفَعُ لِصَاحِبِهَا حَتَّى يُغْفَرَ لَهُ ﴿تَبٰرَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾»[3]

"قرآن کریم کی ایک سورت تیس آیتوں والی، اپنے پڑھنے والے کے لیے سفارش کرے گی، حتیٰ کہ

1 فضائل القرآن از حافظ ابن کثیر: ص ۸۴

2 مسند احمد محقق: ۶۶۲۶، مجمع الزوائد: ۳/۱۸۱، وقال الهيثمي: رواه أحمد والطبراني في الكبير، ورجال الطبراني رجال الصحيح

3 سنن أبي داؤد: كِتَابُ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَتَحْزِيبِهِ وَتَرْتِيلِهِ (بَابُ فِي عَدَدِ الْآيِ)، رقم ۱۴۰۰

اسے بخش دیا جائے گا:﴿ تَبٰرَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ ﴾ "

رمضان المبارک میں قرآن کریم ختم کرنا

رمضان المبارک میں قرآن کریم مکمل کرنا مستحب ہے، جیسا کہ شیخ ابن باز فرماتے ہیں:

كان الإمام أحمد رحمه الله يحب ممن يؤمّهم أن يختم بهم القرآن ، وهذا من جنس عمل السلف في محبة سماع القرآن كله، ولكن ليس هذا موجباً لأن يعجل ولا يتأنى في قراءته، ولا يتحرى الخشوع والطمأنينة، بل تحري هذه الأمور أولى من مراعاة الختمة.[1]

"امام احمد ائمہ کے لئے پسند کرتے کہ وہ (رمضان میں) مکمل قرآن ختم کرے۔ اور اس کا تعلق سلف کے پورے قرآن کے سماع کو پسند کرنے سے ہے۔ یہ نہ ہو کہ جلدی کرتے ہوئے قراءت میں سکون کو نظر انداز کر دیا جائے اور خشوع وطمانیت کی فکر نہ کی جائے بلکہ ان چیزوں کی پاسداری تکمیل قرآن سے زیادہ اہم ہے۔"

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

وقيل السبب فيه أن جبريل كان يعارضه بالقرآن في كل رمضان مرة فلما كان العام الذي قبض عارضه مرتين فلذلك اعتكف قدر ما كان يعتكف مرتين[2]

"[بیس دن اعتکاف کا] سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ سیدنا جبریل نبی کریم ﷺ سے ہر رمضان میں ایک بار قرآن کریم کا دور کیا کرتے۔ جس سال آپ کی وفات ہوئی، تو جبریل نے آپ سے دو بار دور کیا، چنانچہ آپ نے اس سال اعتکاف بھی دو اعتکاف کی مدت کے برابر کیا۔"

شیخ محمد ابن عثیمین کہتے ہیں:

"ختم القرآن في رمضان للصائم ليس بأمر واجب، ولكن ينبغي للإنسان في رمضان أن يكثر من قراءة القرآن، كما كان ذلك سنة رسول الله ﷺ، فقد كان عليه الصلاة والسلام يدارسه جبريل القرآن كل رمضان."[3]

---

۱ مجموع فتاوى ومقالات متنوعة لسماحة الشيخ ابن باز :۱۵/ ۳۲۴

۲ فتح الباري از حافظ ابن حجر: ۴/ ۲۸۵، زیر حدیث ۱۹۳۹

۳ مجموع فتاوی ابن عثیمین: ۲۰/ ۵۱۶

"رمضان میں صائم کے لئے قرآن ختم کرنا واجب نہیں، تاہم انسان کو رمضان میں زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھنا چاہیے کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے کہ آپ پورا رمضان جبریل سے قرآن کا دور کیا کرتے۔"

ختم قرآن کی کم سے کم مدت کے بارے میں سیدنا عبد اللہ بن عمرو سے مروی ہے، انہوں نے عرض کیا:

يَا رَسُولَ الله! فِي كَمْ أَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟ قَالَ فِي شَهْرٍ. قَالَ إِنِّي أَقْوَى مِنْ ذَلِكَ. يُرَدِّدُ الْكَلَامَ أَبُو مُوسَى وَتَنَاقَصَهُ حَتَّى قَالَ: «اقْرَأْهُ فِي سَبْعٍ» قَالَ إِنِّي أَقْوَى مِنْ ذَلِكَ. قَالَ: «لَا يَفْقَهُ مَنْ قَرَأَهُ فِي أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ»[1]

"اے اللہ کے رسول! میں کتنے دنوں میں قرآن پڑھوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ایک مہینے میں۔" انہوں نے کہا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ ابو موسیٰ (ابن مثنیٰ) نے یہ جملہ بار بار دہرایا۔ یعنی اُنہوں نے اس مدت میں کمی چاہی۔ بالآخر آپ ﷺ نے فرمایا: "سات دنوں میں پڑھو۔" انہوں نے کہا: میں اس سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا " جس شخص نے تین دن سے کم میں قرآن پڑھا، اس نے اسے سمجھا ہی نہیں۔"

صحیح بخاری میں یہی واقعہ ۵۰۵۲ نمبر حدیث کے تحت آیا ہے جس میں سیدنا عبد اللہ نے بڑھاپے میں کہا کہ کاش میں نبی مکرم ﷺ کی دی ہوئی رخصت قبول کر لیتا، پھر اس عمر میں وہ سات روز میں قرآن ختم کیا کرتے۔

رمضان میں قرآن کریم ختم کرنے کے بارے میں سلف کی مختلف عادات کا جو ذکر آتا ہے کہ مجاہد رمضان کی ہر رات قرآن ختم کیا کرتے، اور امام شافعی رمضان میں ٦٠ بار قرآن کریم ختم کرتے، اَسود رمضان کی ہر دوسری رات قرآن ختم کرتے، اور قتادہ رمضان کی ہر تیسری رات، آخری عشرے میں ہر رات کو قرآن ختم کرتے وغیرہ وغیرہ۔ تو یہ روایتیں ثبوت کی محتاج اور مذکورہ بالا حدیث کے منافی بھی ہیں۔ اور اس کی یہ توجیہ کہ نبی کریم ﷺ کا حکم رمضان کے بارے میں نہیں تھا، بلا دلیل ہے۔ جبکہ نبی کریم ﷺ کا مسنون عمل تو رمضان میں ایک یا دو بار ختم کرنا ہی ہے۔

ماہ بھر میں قرآن کریم کو ختم کرنے میں یہ بھی امکان ہے کہ نبی کریم ﷺ رمضان کی تیس راتوں میں تیس پاروں کو تقسیم کر دیتے ہوں، تاکہ اس طرح قرآن کی برکت پورے ماہ رمضان پر پھیل جائے، اور یہ عبادت ایک توازن و تسلسل کے ساتھ اس طرح جاری رہے۔

---

[1] سنن أبي داؤد: كِتَابُ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَتَحْزِيبِهِ وَتَرْتِيلِهِ (بَابُ فِي كَمْ يُقْرَأُ الْقُرْآنُ)، رقم ۱۳۹۰

۲۔ قیام اللیل میں لمبی تلاوتِ قرآن

رمضانِ کریم نزولِ قرآن کا مہینہ ہے، لیلۃ القدر اِس کی عظیم ترین رات ہے جس کی عظمت بھی نزولِ قرآن کے مرہونِ منت ہے۔ اس مہینہ کو قرآنِ کریم سے خاص مناسبت حاصل ہے، اس کو شهر الصوم کے ساتھ شهر القرآن بھی کہا جاسکتا ہے کیونکہ روزہ اور قیام اللیل اس کے دو خاص شعار ہیں۔ اور قیام اللیل میں کثرتِ رکعات کی بجائے طولِ قیام زیادہ اہم ہے جس میں تلاوتِ قرآن ہی کی جاتی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

﴿قُمِ الَّيْلَ إِلَّا قَلِيْلًا ۙ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۙ﴾

"کچھ حصہ کے سوا، رات بھر قیام کر۔ نصف رات یا اس سے کچھ کم کرلے۔ اور قرآن کریم کی ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کر۔" [المزمل: ۲-۴]

«مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»[1]

"جو کوئی رمضان میں (راتوں کو) ایمان رکھ کر اور ثواب کے لیے قیام کرے تو اس کے اگلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔"

فَقَالَ: «إِنَّهُ مَنْ قَامَ مَعَ الْإِمَامِ حَتَّى يَنْصَرِفَ كُتِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ»[2]

"جس نے امام کے ساتھ قیام کیا یہاں تک کہ وہ فارغ ہو جائے تو اس کے لیے پوری رات کا قیام لکھا جائے گا۔"

اس حدیث سے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ تراویح باجماعت پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

یہی اجر رمضان المبارک کے بعد بھی ایک اور صورت میں جاری رہتا ہے، فرمانِ نبوی ہے:

«مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ، وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ»[3]

"جس نے عشا کی نماز باجماعت ادا کی تو گویا اس نے آدھی رات کا قیام کیا اور جس نے صبح کی نماز (بھی) جماعت کے ساتھ پڑھی تو گویا اس نے ساری رات نماز پڑھی۔"

---

۱ صحيح البخاري: كِتَابُ الإِيمَانِ (بَابٌ تَطَوُّعُ قِيَامِ رَمَضَانَ مِنَ الإِيمَانِ)، رقم ۳۷

۲ جامع الترمذي: أَبْوَابُ الصَّوْمِ عَنْ رَسُولِ الله ﷺ (بَابُ مَا جَاءَ فِي قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ)، رقم ۸۰۶

۳ صحيح مسلم: كِتَابُ الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلَاةَ (بَابُ فَضْلِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ وَالصُّبْحِ فِي جَمَاعَةٍ)، رقم ۱۴۹۱

روزہ، قیام اللیل اور تلاوتِ قرآن اس ماہ کے خاص اعمال ہیں۔ جہاں تک تلاوتِ قرآنِ کریم ہے تو نبی کریم کی تلاوت کی کیفیت یہ ہوتی تھی کہ آپ بعض اوقات کئی کئی پارے ایک رکعت میں پڑھ جایا کرتے۔ اور تلاوت کے دوران اس کے معانی میں غور وفکر کرتے جیسا کہ سیدنا حذیفہ روایت کرتے ہیں کہ

صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ، فَافْتَتَحَ الْبَقَرَةَ، فَقُلْتُ: يَرْكَعُ عِنْدَ الْمِائَةِ، ثُمَّ مَضَى، فَقُلْتُ: يُصَلِّي بِهَا فِي رَكْعَةٍ، فَمَضَى، فَقُلْتُ: يَرْكَعُ بِهَا، ثُمَّ افْتَتَحَ النِّسَاءَ، فَقَرَأَهَا، ثُمَّ افْتَتَحَ آلَ عِمْرَانَ، فَقَرَأَهَا، يَقْرَأُ مُتَرَسِّلًا، إِذَا مَرَّ بِآيَةٍ فِيهَا تَسْبِيحٌ سَبَّحَ، وَإِذَا مَرَّ بِسُؤَالٍ سَأَلَ، وَإِذَا مَرَّ بِتَعَوُّذٍ تَعَوَّذَ، ثُمَّ رَكَعَ، فَجَعَلَ يَقُولُ: «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ»، فَكَانَ رُكُوعُهُ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِ، ثُمَّ قَالَ: «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ»، ثُمَّ قَامَ طَوِيلًا قَرِيبًا مِمَّا رَكَعَ، ثُمَّ سَجَدَ، فَقَالَ: «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى»، فَكَانَ سُجُودُهُ قَرِيبًا مِنْ قِيَامِهِ.[1]

''میں نے ایک رات نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، آپ نے سورۃ البقرۃ سے آغاز کیا۔ میں نے سوچا کہ آپ سو آیات پڑھ کر رکوع کرلیں گے، آپ کی تلاوت جاری رہی۔ میں نے سوچا کہ اس سورۃ کو ایک رکعت میں ختم کرلیں گے۔ آپ کی تلاوت جاری رہی، پھر آپ نے سورۃ النساء کا آغاز کردیا، اس کو پڑھا، پھر سورۃ آل عمران کا آغاز کردیا، اس کو بھی پڑھا۔ آپ ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرتے۔ جب بھی کسی تسبیح والی آیت سے گزرتے تو اللہ کی تسبیح بیان کرتے، جب بھی کسی سوال کی آیت سے گزرتے تو اللہ سے مانگتے، اور جب بھی کسی پناہ والی آیت پر پہنچتے تو اللہ سے پناہ طلب کرتے۔ پھر آپ نے رکوع کیا۔ آپ کا رکوع آپ کے قیام کے برابر ہی طویل تھا، پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہا جو رکوع کے برابر لمبا تھا، پھر سجدہ کیا اور سبحان ربی الاعلیٰ کہا، آپ کے سجدے بھی قیام کے بقدر لمبے تھے۔''

۳۔ تلاوت کے دوران آیات میں تدبر و تفکر

اور نزولِ قرآن کے مقاصد میں اس میں تدبر کرنا بھی شامل ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ [ص:۲۹]

''ہم نے یہ مبارک کتاب آپ پر اس لئے اُتاری تاکہ آپ اس کی آیات میں غور وفکر کریں اور عقل مند لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔''

---

۱ صحیح مسلم: كِتَابُ صَلَاةِ الْمُسَافِرِينَ وَقَصْرِهَا (بَابُ اسْتِحْبَابِ تَطْوِيلِ الْقِرَاءَةِ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ)، رقم ۱۸۱۴

﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴾ [النساء:۸۲]

''کیا یہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے۔ اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یہ اس میں بہت سے اختلاف پاتے۔''

اور نبی کریم کی تلاوتِ قرآن کے ساتھ قرآن میں تدبر کرنا اور آیات کو دہرانا بھی شامل تھا، جیسا کہ سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

كُنْتُ مَعَ رَسُولِ الله ﷺ لَيْلَةً فَاسْتَاكَ ثُمَّ تَوَضَّأَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي، فَقُمْتُ مَعَهُ فَبَدَأَ فَاسْتَفْتَحَ الْبَقَرَةَ فَلَا يَمُرُّ بِآيَةِ رَحْمَةٍ إِلَّا وَقَفَ فَسَأَلَ، وَلَا يَمُرُّ بِآيَةِ عَذَابٍ إِلَّا وَقَفَ فَتَعَوَّذَ، ثُمَّ رَكَعَ فَمَكَثَ رَاكِعًا بِقَدْرِ قِيَامِهِ، وَيَقُولُ فِي رُكُوعِهِ: «سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْـمَلَكُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ» ، ثُمَّ سَجَدَ بِقَدْرِ رُكُوعِهِ، وَيَقُولُ فِي سُجُودِهِ: «سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ» ثُمَّ قَرَأَ آلَ عِمْرَانَ ثُمَّ سُورَةً سُورَةً يَفْعَلُ مِثْلَ ذَلِكَ[1]

''میں رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک رات موجود تھا۔ آپ نے مسواک کرکے وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہوگئے۔ میں بھی آپ کے ساتھ ہی کھڑا ہوگیا۔ آپ نے سورۃ البقرۃ سے آغاز کیا۔ آپ کسی آیتِ رحمت سے نہ گزرتے مگر وہاں رک کر اللہ کی رحمت کا سوال کرتے۔ اور کسی آیت عذاب سے نہ گزرتے مگر رک کر اللہ عزوجل سے پناہ مانگتے۔ پھر رکوع کیا تو اس کا دورانیہ قیام کے بقدر تھا اور اپنے رکوع میں یہ دعا... پڑھی۔ پھر سجدہ کیا تو اس میں رکوع کے بقدر وقفہ کیا اور سجدوں میں یہ دعا «سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْـمَلَكُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ» پڑھی۔ پھر آپ نے [اگلے قیام میں] سورۃ آلِ عمران کی تلاوت کی، پھر کوئی اور سورت، پھر کوئی اور... اور ہر سورۃ میں ایسے ہی کرتے۔''

آپ ﷺ نماز میں آیات کے معانی پر غور کرتے ہوئے آیات کو دہرایا کرتے، جیسا کہ ابوذرؓ غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«قَامَ النَّبِيُّ ﷺ بِآيَةٍ حَتَّى أَصْبَحَ يُرَدِّدُهَا» وَالْآيَةُ: ﴿ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ

---

[1] الشمائل المحمدیۃ از امام ترمذی، ص:۲۵۶، رقم ۳۱۴، طبع المکتبۃ التجاریۃ

تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾[1]

''ایک رات نبی ﷺ نے قیام کیا، تو ساری رات گزر گئی اور اسی آیتِ کریمہ کو آپ دہراتے رہے کہ ''یاالٰہی! یہ تیرے ہی بندے ہیں، اگر تو انہیں معاف کر دے تو تو غالب و دانا ہے۔''

آپ قرآنی آیات میں غور و فکر فرمایا کرتے، اور تلاوتِ قرآن کے دوران بہت زیادہ رویا کرتے، جیسا کہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں:

لَمَّا كَانَ لَيْلَةٌ مِنَ اللَّيَالِي قَالَ: «يَا عَائِشَةُ! ذَرِينِي أَتَعَبَّدُ اللَّيْلَةَ لِرَبِّي». قُلْتُ: وَالله إِنِّي لَأُحِبُّ قُرْبَكَ وَأُحِبُّ مَا سَرَّكَ. قَالَتْ: فَقَامَ فَتَطَهَّرَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي. قَالَتْ: فَلَمْ يَزَلْ يَبْكِي حَتَّى بَلَّ حِجْرَهُ. قَالَتْ: ثُمَّ بَكَى فَلَمْ يَزَلْ يَبْكِي حَتَّى بَلَّ لِحْيَتَهُ. قَالَتْ: ثُمَّ بَكَى فَلَمْ يَزَلْ يَبْكِي حَتَّى بَلَّ الْأَرْضَ. فَجَاءَ بِلَالٌ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلَاةِ. فَلَمَّا رَآهُ يَبْكِي. قَالَ يَا رَسُولَ الله! لِمَ تَبْكِي وَقَدْ غَفَرَ الله لَكَ مَا تَقَدَّمَ وَمَا تَأَخَّرَ. قَالَ: «أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا لَقَدْ نَزَلَتْ عَلَيَّ اللَّيْلَةَ آيَةٌ وَيْلٌ لِمَنْ قَرَأَهَا وَلَمْ يَتَفَكَّرْ فِيهَا: ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾﴾ الآية كلها»[2]

''راتوں میں سے ایک رات نبی کریم ﷺ کہنے لگے: عائشہ! مجھے آج اپنے ربّ کی بندگی کر لینے دو۔ میں نے کہا: واللّٰہ! مجھے آپ کی قربت بڑی عزیز ہے لیکن آپ کی خوشی بھی مجھے محبوب ہے۔ کہتی ہیں کہ آپ کھڑے ہو گئے اور وضو کیا۔ کہتی ہیں کہ نماز میں روتے رہے حتیٰ کہ آپ کی گود تر ہو گئی۔ پھر کہتی ہیں کہ روتے رہے حتیٰ کہ ڈاڑھی مبارک بھی بھیگ گئی۔ پھر روتے رہے اور اتنا روئے حتیٰ کہ زمین بھی گیلی ہو گئی۔ پھر بلال آ گئے، نماز کی اطلاع دینے کے لیے۔ جب انہیں روتے دیکھا تو کہا: یارسول اللّٰہ! آپ کیوں روتے ہیں؟ اللّٰہ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیے ہیں۔ تو جواب دیا: میں اللّٰہ کا شکر گزار بندہ کیوں نہ بنوں!! آج رات مجھ پر ایسی آیت نازل ہوئی، افسوس اس پر جو اس کو پڑھے لیکن اس میں غور و فکر نہ کرے۔''

---

۱ سورة المائدة:۱۱۸... سنن ابن ماجہ:۱/۴۲۹، رقم ۱۳۵۰، قال الألباني: حسن

۲ آل عمران: ۱۹۰ صحیح ابن حبان، محقق:۲/ ۳۸۷، رقم ۶۲۰۔ شیخ شعیب ارناؤوط نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ إسناده صحيح علىٰ شرط مسلم، وأخرجه أبو الشيخ في أخلاق النبي: ص 186 عن الفريابي، عن عثمان بن أبي شيبة، بهذا الإسناد. وله طريق أخرى عن عطاء عند أبي الشيخ ص 190، 191 وفيه أبو جناب الكلبي يحيى بن أبي حية، ضعفوه لكثرة تدليسه لكن صرح بالتحديث هنا، فانتفت شبهة تدليسه.

حافظ ابن قیم حدیث خیرکم من تعلّم القرآن وعلّمه کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَتعلّم الْقُرْآن وتعليمه يتَنَاوَل تعلم حُرُوفه وَتَعْلِيمهَا وَتعلم مَعَانِيه وَتَعْلِيمهَا وَهُوَ أشرف قسمي علمه وتعليمه فَإِن الْمَعْنى هُوَ الْمَقْصُود وَاللَّفْظ وَسِيلَة إليه. فتعلّم الْمَعْنى وتعليمه تعلّم الْغَايَة وَتَعْلِيمهَا وَتعلم اللَّفْظ الْمُجَرّد وتعليمه تعلم الْوَسَائِل وَتَعْلِيمهَا وَبَينهمَا كَمَا بَين الغايات.[1]

"قرآن کو سیکھنے سکھانے میں اس کے حروف ومعانی کو سیکھنا سکھانا بھی شامل ہے۔ یہ قرآن کو سیکھنے سکھانے کے دو مبارک ترین علم ہیں۔ کیونکہ معنی ہی تو مقصود ہے، اور الفاظ اس مقصد کا وسیلہ ہیں۔ گویا معنی سیکھنا سکھانا، تو اصل مقصد کو سیکھنا سکھانا ہے اور اکیلے الفاظ کو سیکھنا سکھانا، وسائل کو سیکھنا سکھانا ہوا۔ اور دونوں کے مابین وہی فرق رفاصلہ ہے جو مقصد اور وسائل کے مابین ہوتا ہے۔"

حافظ ابن قیم نے تلاوت قرآن کو وسیلہ رذریعہ اور آیات میں تدبر وتذکیر کو اصل مقصد بتایا ہے، اور ان کا یہ موقف اوپر مذکور سورۃ ص کی آیت:۲۹ اور سورۃ محمد کی آیت:۲۴ کی بنا پر ہے جس میں نزولِ قرآن کا مقصد تدبر وتذکیر قرار دیا گیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ معانی قرآن کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَأَمَّا النَّوْعُ الثَّانِي: الْجُهَّالُ. فَهَؤُلَاءِ الْأُمِّيُّونَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إلَّا يَظُنُّونَ. فَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وقتادة فِي قَوْلِهِ: ﴿وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ﴾ أَيْ غَيْرُ عَارِفِينَ بِمَعَانِي الْكِتَابِ يَعْلَمُونَهَا حِفْظًا وَقِرَاءَةً بِلَا فَهْمٍ وَلَا يَدْرُونَ مَا فِيهِ.

وَقَوْلُهُ: ﴿إلَّا أَمَانِيَّ﴾ أَيْ تِلَاوَةً فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ فِقْهَ الْكِتَابِ إنَّمَا يَقْتَصِرُونَ عَلَى مَا يَسْمَعُونَهُ يُتْلَى عَلَيْهِمْ. قَالَهُ الْكِسَائِيُّ وَالزَّجَّاجُ وَكَذَلِكَ قَالَ ابْنُ السَّائِبِ لَا يُحْسِنُونَ قِرَاءَةَ الْكِتَابِ وَلَا كِتَابَتَهُ إلَّا أَمَانِيَّ إلَّا مَا يُحَدِّثُهُمْ بِهِ عُلَمَاؤُهُمْ.

وَقَالَ أَبُو رَوْقٍ وَأَبُو عُبَيْدَةَ أَيْ تِلَاوَةً وَقِرَاءَةً عَنْ ظَهْرِ الْقَلْبِ وَلَا يَقْرَءُونَهَا فِي الْكُتُبِ فَفِي هَذَا الْقَوْلِ جَعْلُ الْأَمَانِيِّ الَّتِي هِيَ التِّلَاوَةُ تِلَاوَةَ الْأُمِّيِّينَ أَنْفُسِهِمْ وَفِي ذَلِكَ جَعْلُهُ مَا يَسْمَعُونَهُ مِنْ تِلَاوَةِ عُلَمَائِهِمْ وَكِلَا الْقَوْلَيْنِ حَقٌّ وَالْآيَةُ تَعُمُّهُمَا.[2]

---

۱ مفتاح دار السعادة از حافظ ابن قیم: ۱/۴۷

۲ مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۷/ ۴۳۴

"اور دوسری قسم جاہلوں کی ہے۔ ایسے ان پڑھ جو قرآن سے اپنی خواہشات کے سوا کچھ نہیں جانتے اور گمان کے سوا کچھ نہیں کرتے۔ سیدنا ابن عباس اور قتادۃ سے ﴿وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ﴾ کے بارے میں مروی ہے کہ "وہ قرآن کے معانی کو نہیں جانتے، وہ صرف قرآن کو سمجھے بغیر بطورِ حفظ وتلاوت پڑھ سکتے ہیں اور اس میں کیا احکام ہیں، اس کا انہیں کچھ پتہ نہیں۔ اور قرآنی لفظ ﴿إِلَّا أَمَانِيَّ﴾ کا مطلب ہے تلاوت کرنا، وہ قرآن کے معانی نہیں سمجھتے، جس قدر ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے، وہ اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ امام کسائی، زجاج اور ایسے ہی ابن سائب نے کہا کہ وہ قرآن کو اچھی طرح پڑھ لکھ نہیں سکتے، سوائے اپنی من پسند بات کے اور جو ان کے علما ان کو بتلا دیتے ہیں۔

اور ابوروق، ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ دل کے حافظے سے قرآن کی تلاوت و قراءت کرنا، اور مصحف کو دیکھ کر نہ پڑھنا۔ اس قول میں خواہشات یعنی محض تلاوت کو خود ان پڑھوں کی تلاوت کہا گیا ہے اور اس میں جو وہ اپنے علما کی تلاوت سننے پر اکتفا کرتے ہیں، اس کو بھی خواہشات کہا گیا ہے، اور دونوں معانی ہی درست ہیں اور یہ آیت دونوں معانی کو حاوی ہے۔"

تبصرہ: حافظ ابن قیم کا یہ موقف تو قرآنی دلیل کی بنا پر معتبر ہے کہ نزولِ قرآن کا اصل مقصد تدبر و تذکیر ہے جبکہ تلاوتِ قرآن کا علم بھی اشرف علوم میں سے ہے۔ تاہم حافظ ابن تیمیہ نے جو تلاوتِ قرآن کو جاہلوں اور من پسند خواہشات کا مصداق بتایا اور اس پر بعض ماثور تفاسیر ذکر کی ہیں تو اکیلی تلاوتِ قرآن کو سیاقِ ذم میں بیان کرنا محل نظر ہے کیونکہ تلاوتِ قرآن تو پہلا نبوی فریضہ اور اس کو بلا ترجمہ پڑھنا بھی باعثِ ثواب ہے، جیسا کہ تلاوت کے ثواب کی مثالی نبی کریم نے غیر واضح المعنی لفظ الٓـم سے دی ہے اور قرآن کریم اللہ کے مبارک کلمات اور غیر مخلوق ہیں اور یہ ان الفاظِ الٰہی کا خاصہ ہے۔ مشہور منکرِ حدیث غلام احمد پرویز کا موقف ہے کہ نزولِ قرآن کا مقصد فہم و تدبر ہی ہے اور تلاوت کی کوئی معنویت نہیں۔ الغرض نزولِ قرآن کے مقاصد میں تلاوت، فہم و تدبر، اس پر عمل کرنا شامل ہیں۔ اور اوّلین مقصد فہم و تدبر ہے، جبکہ باقی مقاصد بھی مشروع اور باعث ثواب ہیں۔

۴۔ کثرتِ دعا واستغفار

گویا (۱) روزہ، (۲) تلاوتِ قرآن، (۳) قیام اللیل اور لمبا قیام، اور (۵) قرآن کے معانی میں تدبر کرنا سب رمضان کے خاص اعمال ہوئے۔ مزید برآں روزے کے دوران اور مبارک ترین اوقات میں (۶) دعا کی تلقین بھی کی گئی۔ روزے دار کی دعا کی خاص اہمیت سیدنا ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم نے فرمایا:

«ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ: الْإِمَامُ الْعَادِلُ وَالصَّائِمُ حِينَ يُفْطِرُ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوم يَرْفَعُهَا فَوْقَ الْغَمَامِ وَتُفَتَّحُ لَهَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَيَقُولُ الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ وَعِزَّتِي لَأَنْصُرَنَّكِ وَلَوْ بَعْدَ حِينٍ»[1]

"تین لوگوں کی دعائیں رد نہیں کی جاتیں: پہلا امام عادل ہے، دوسرا صائم جب وہ افطار کرے، اور تیسرا مظلوم جب کہ وہ بددعا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ (اس کی بددعا کو) بادل کے اوپر اُٹھالیتا ہے، اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کہتا ہے: قسم ہے میری عزت کی میں ضرور تیری مدد کروں گا، اگرچہ کچھ دیر بعد ہی سہی۔"

امام نووی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

يستحب للصائم أن يدعو في حال صومه بمهمات الآخرة والدنيا له ولمن يحب وللمسلمين لحديث أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: «ثلاثة لا تردّ دعوتهم الصائم حتى يفطر والامام العادل والمظلوم» رواه الترمذي وابن ماجه. قال الترمذي: حديث حسن. وهكذا الرواية حتى بالتاء المثناة فوق فيقتضي استحباب دعاء الصائم من أول اليوم إلى آخره لأنه يسمى صائمًا في كل ذلك[2]

"روزے دار کے لئے مستحب ہے کہ اس حدیثِ ابوہریرہ کی بناپر اپنے روزے کے دوران دنیاوآخرت کی اہم چیزوں اور اپنے ودیگر مسلمانوں کے لئے پسندیدہ چیزوں کی دعا کرے۔ یہ حدیث امام ترمذی کے نزدیک حسن ہے۔ اور اس روایت میں حَتّٰی (اوپر کے دو نقطوں کے ساتھ) تقاضا کرتا ہے کہ روزے دار کی دعا صبح اوّل یوم سے آخر تک مستحب ہو، کیونکہ وہ سارا دن ہی روزے دار کہلاتا ہے۔"

یہ حدیث سنن ترمذی میں دوبار آئی ہے اور سنن ابن ماجہ[3] میں بھی ہے۔ تاہم سنن ترمذی میں ایک بار "حِيْنَ يُفْطِرَ" کے الفاظ سے ہے اور دوسری بار "حَتّٰى يُفْطِرَ"[4] کے الفاظ ہیں جیسا کہ اوپر گذری۔ اور

---

١ جامع الترمذي: أَبْوَابُ صِفَةِ الْجَنَّةِ عَنْ رَسُولِ الله ﷺ (بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الْجَنَّةِ وَنَعِيمِهَا)، رقم ٢٥٢٦... قال الألباني: صحيح دون قوله مم خلق الخلق، الصحيحة(٢/ ٦٩٢، ٦٩٣)

٢ المجموع: ٦/ ٣٧٥

٣ سنن ابن ماجه: كتاب الصيام: باب في الصائم لا تردّ، رقم ١٧٥٢... قال الألباني: ضعيف وصحّ منه شطره الأول، لكن بلفظ المسافر وفي رواية: الوالد مكان الإمام

٤ جامع الترمذي: أَبْوَابُ الدَّعَوَاتِ(بَابٌ)، رقم ٣٥٩٨...قال الألباني: ضعيف لكن صحّ منه الشطر الأول

دونوں کو شیخ البانی نے صحیح قرار دیا ہے جس میں حِیْنَ کی صحت کے لئے زیادہ طاقتور الفاظ استعمال کئے ہیں جبکہ سنن ابن ماجہ میں بھی حَتّٰی کے الفاظ آئے ہیں۔ حَتّٰی کے الفاظ کا مطلب یہ ہوا کہ روزے دار کی سارا دن بشمول افطاری کے وقت دعا قبول ہوتی ہے، اور حِین کا مطلب ہے کہ افطاری کے وقت صائم کی دعا ردّ نہیں ہوتی۔ سنن ابن ماجہ کے شارح امام سندی لکھتے ہیں:

قَوْلُهُ "حَتَّى يُفْطِرَ" يَدُلُّ عَلَى أَنَّ دُعَاءَهُ تَمَامَ النَّهَارِ مُسْتَجَابٌ وَعَلَى هَذَا فَلَفْظُ الدَّعْوَةِ بِمَعْنَى الدُّعَاءِ لَا لِلْمَرَّةِ كَمَا هُوَ أَصْلُ الْبِنَاءِ وَالْأَقْرَبُ أَنَّ حَتَّى سَهْوٌ مِنْ بَعْضِ الرُّوَاةِ وَالصَّوَابُ حِينَ كَمَا يَدُلُّ عَلَيْهِ الْحَدِيثُ الْآتِي.[1]

"نبی کریم کا فرمان "حَتَّى يُفْطِرَ" سے معلوم ہوا کہ سارا دن ہی اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اس بنا پر دعوۃ سے مراد دعا ہے، نہ کہ صرف ایک دعا جیسا کہ لفظ کی اصل ساخت ہے۔ مناسب یہ ہے کہ یہاں لفظ حَتّٰی بعض راویوں کی غلطی ہے اور صحیح لفظ حِین ہے، جیسا کہ اگلی حدیث إِنَّ لِلصَّائِمِ عِنْدَ فِطْرِهِ بتاتی ہے۔"

یہ امام سندی ہی کی رائے ہے کہ صحیح لفظ حتی کی بجائے حین ہے، جبکہ حتی کا لفظ بھی اگر صحیح احادیث میں ثابت ہے تو اس کو مانتے ہوئے وسیع تر مفہوم بھی لیا جاسکتا ہے۔ اب افطاری کے وقت قبولیت دعا پر حَتّٰی کا لفظ دال ہے اور حِین کا لفظ بھی، جبکہ افطاری کے وقت دعا کی قبولیت کی خاص گھڑی والی حدیث ضعیف ہے: «إِنَّ لِلصَّائِمِ عِنْدَ فِطْرِهِ لَدَعْوَةً مَا تُرَدُّ».

قَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو يَقُولُ إِذَا أَفْطَرَ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ أَنْ تَغْفِرَ لِي.[2]

"روزے دار کے لیے روزہ کھولتے وقت ایک دعا ایسی ہوتی ہے جو رد نہیں ہوتی۔" عبد اللہ بن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عمروؓ کو روزہ افطار کرتے وقت یوں کہتے سنا: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ أَنْ تَغْفِرَ لِي "اے اللہ! میں تجھ سے تیری اس رحمت کے واسطے سے سوال کرتا ہوں جس نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے کہ تو میری مغفرت فرمادے۔"

بلفظ المسافر مكان الإمام العادل

۱ حاشية السندي علی سنن ابن ماجہ: زیر حدیث ۱۷۵۲

۲ سنن ابن ماجه: كِتَاب الصِّيَامِ (بَابٌ فِي الصَّائِمِ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُ)، رقم ۱۷۵۳

یہ حدیث ضعیف ہے، جیسا کہ شیخ البانی نے إرواء الغليل (رقم ۹۲۱) اور ضعیف الجامع (رقم ۱۹۶۵) میں اس کی صراحت کی ہے۔ اسی طرح اس حدیث میں سیدنا عبد اللہ بن عمرو کی جو دعا مذکور ہے، وہ بھی افطار سے پہلے کی بجائے عین افطار کے وقت کی ہے۔ تاہم دیگر مذکور احادیث کی بنا پر افطاری کے وقت کی دعا کی بھی خاص اہمیت ہے۔ واللہ اعلم

ایسے ہی شبِ قدر کے بارے نبی کریم ﷺ سے سیدہ عائشہ نے پوچھا:

يَا رَسُولَ الله! أَرَأَيْتَ إِنْ عَلِمْتُ أَيُّ لَيْلَةٍ لَيْلَةُ الْقَدْرِ مَا أَقُولُ فِيهَا. قَالَ: «قُولِي اللَّهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي»[1]

''میں نے کہا: اللہ کے رسول! اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کون سی رات لیلۃ القدر ہے تو میں اس میں کیا پڑھوں؟ آپ نے فرمایا: ''پڑھو، اللَّهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي ''اے اللہ! تو عفو و در گزر کرنے والا ہے، اور عفو و در گزر کرنے کو تو پسند کرتا ہے، اس لیے تو ہمیں معاف اور ہم سے در گزر کر دے۔''

رمضان کا اختتام صدقۃ الفطر پر ہوتا ہے، جو طُہرۃ للصائم ہوتے ہوئے وجہ مغفرت بھی ہے۔[2]

۵۔ انفاق فی سبیل اللہ

روزے دار کی افطاری کرانا انفاق فی سبیل اللہ بھی ہے، اور خصوصی عمل بھی، چنانچہ فرمانِ نبوی ہے:

«مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِ الصَّائِمِ شَيْئًا»[3]

''جس نے کسی صائم کو افطار کرایا تو اسے بھی اس کے برابر ثواب ملے گا، بغیر اس کے کہ صائم کے ثواب میں سے ذرا بھی کم کیا جائے۔''

رمضان میں نبی ﷺ انفاق فی سبیل اللہ میں بھی کثرت فرمایا کرتے، سیدنا ابن عباس سے مروی ہے:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَجْوَدَ النَّاسِ، وَكَانَ أَجْوَدُ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ حِينَ يَلْقَاهُ جِبْرِيلُ، وَكَانَ يَلْقَاهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ، فَلَرَسُولُ اللهِ ﷺ

۱ جامع الترمذي: أَبْوَابُ الدَّعَوَاتِ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ (بَابٌ فِي فَضْلِ سُؤَالِ العَافِيَةِ وَالْمُعَافَةِ)، رقم ۳۵۱۳

۲ سنن أبي داؤد: كِتَابُ الزَّكَاةِ (بَابُ زَكَاةِ الْفِطْرِ)، رقم ۱۶۰۹

۳ جامع الترمذي: أَبْوَابُ الصَّوْمِ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ (بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا)، رقم ۸۹۷

أَجْوَدُ بِالخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ المُرْسَلَةِ»[1]

"رسول اللہ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ جواد (سخی) تھے اور رمضان میں (دوسرے اوقات کے مقابلہ میں جب) جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ سے ملتے، بہت ہی زیادہ جود و کرم فرماتے۔ جبرئیل علیہ السلام رمضان کی ہر رات میں آپ ﷺ سے ملاقات کرتے اور آپ ﷺ کے ساتھ قرآن کا دورہ کرتے، غرض آنحضرت ﷺ لوگوں کو بھلائی پہنچانے میں بارش لانے والی ہوا سے بھی زیادہ جود و کرم فرمایا کرتے تھے۔"

حدیثِ مبارکہ میں جُود کا لفظ آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ رمضان میں اَجود ہوتے، جُود سے کیا مراد ہے؟ جُود کا مطلب ہے: فیاضی اور یہ فیاضی مال اور علم دونوں کو شامل ہے... حافظ ابن قیم لکھتے ہیں:

الجود بالعلم وبذله وهو من أعلى مراتب الجود والجود به أفضل من الجود بالمال لأن العلم أشرف من المال[2]

"علم کے ساتھ فیاضی اور اس کو صرف کرنا، جُود کی اعلیٰ ترین قسم ہے۔ علمی فیاضی، مالی فیاضی سے افضل ہے، کیونکہ علم بھی مال سے افضل ہے۔"

علامہ احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

كما أن لله ملائكة موكلة بالسحاب والمطر فله ملائكة موكلة بالهدى والعلم هذا رزق القلوب وقوتها وهذا رزق الأجساد وقوتها. قال الحسن البصري في قوله تعالى: ﴿وَمِمَّا رَزَقْنَاهُم يُنفِقُونَ﴾. قال: إن من أعظم النفقة نفقة العلم أو نحو هذا الكلام وفي أثر آخر: نعمت العطية ونعمت الهدية الكلمة من الخير يسمعها الرجل فيهديها إلى أخ له مسلم.[3]

"جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بادلوں اور بارش کی ڈیوٹی سونپی ہوئی ہے، ایسے ہی اس کے فرشتے ہدایت و علم پھیلانے کے بھی ذمہ دار بنائے گئے ہیں۔ علم تو دلوں کا رِزق و توشہ ہے جبکہ بادل و بارش اَجساد کا رزق و توشہ ہیں۔ امام حسن بصری اللہ کے اس فرمان: "جو ہم نے رزق دیا، وہ اس سے خرچ

---

۱ صحيح البخاري :كِتَابُ بَدْءِ الوَحْيِ (بَابٌ)، رقم ۶
۲ مدارج السالكين: ۲/۲۹۲
۳ مجموع الفتاویٰ: ۴/۴۲

کرتے ہیں۔" کے بارے میں کہتے ہیں کہ سب سے بڑی سخاوت علم کا صدقہ ہے۔ اور ایک دوسرے اثر میں ہے کہ بہترین عطیہ اور تحفہ اچھی بات بتا دینا ہے، کہ کوئی شخص اسے سن کر اپنے مسلمان بھائی تک پہنچا دے۔"

گویا نبی کریم ﷺ کی فیاضی رمضان میں صرف صدقات پر منحصر نہیں، بلکہ ہر قسم کی جود وسخا میں آپ سب سے بڑھ جاتے۔ اور اس سخاوت میں مال کے ساتھ علمی سخاوت بھی شامل ہے۔ اور رمضان میں آپ کا جود وسخا مال کے ساتھ علم وفضل میں بھی بڑھ جاتا تھا۔

۶۔ رمضان میں عمرہ

رمضان میں عمرہ کی بھی خاص اہمیت اور فضیلت ہے، نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«فَإِذَا كَانَ رَمَضَانُ اعْتَمِرِي فِيهِ فَإِنَّ عُمْرَةً فِي رَمَضَانَ حَجَّةٌ» أَوْ نَحْوًا مِمَّا قَالَ[۱]

"رمضان آئے تو عمرہ کر لینا، کیوں کہ رمضان کا عمرہ ایک حج کے برابر ہوتا ہے۔"

۷۔ اعتکاف

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَعْتَكِفُ فِي كُلِّ رَمَضَانَ عَشْرَةَ أَيَّامٍ فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ اعْتَكَفَ عِشْرِينَ يَوْمًا[۲]

"رسول اللہ ﷺ ہر سال رمضان میں دس دن کا اعتکاف کیا کرتے تھے۔ لیکن جس سال آپ ﷺ کا انتقال ہوا، اس سال آپ نے بیس دن کا اعتکاف کیا تھا۔"

۸۔ رمضان میں نیک اعمال کے فضائل

رمضان میں نیک اعمال کی طرف پوری توجہ کی جائے اور اس ماہ زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت کی جائے تو رمضان کی عبادت، مسلمان کو شہید کے درجے سے بھی بڑھا دیتی ہے، سیدنا طلحہ بن عبید اللہ سے مروی ہے:

أَنَّ رَجُلَيْنِ مِنْ بَلِيٍّ قَدِمَا عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَكَانَ إِسْلَامُهُمَا جَمِيعًا، فَكَانَ أَحَدُهُمَا أَشَدَّ اجْتِهَادًا مِنَ الْآخَرِ، فَغَزَا الْمُجْتَهِدُ مِنْهُمَا فَاسْتُشْهِدَ، ثُمَّ مَكَثَ الْآخَرُ بَعْدَهُ سَنَةً،

۱ صحيح البخاري: كِتَابُ العُمْرَةِ (بَابُ عُمْرَةٍ فِي رَمَضَانَ)، رقم ۱۷۸۲

۲ صحيح البخاري: كِتَابُ الِاعْتِكَافِ (بَابُ الِاعْتِكَافِ فِي العَشْرِ الأَوْسَطِ مِنْ رَمَضَانَ)، رقم ۲۰۴۴

ثُمَّ تُوُفِّيَ، قَالَ طَلْحَةُ :فَرَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ: بَيْنَا أَنَا عِنْدَ بَابِ الْجَنَّةِ، إِذَا أَنَا بِهِمَا، فَخَرَجَ خَارِجٌ مِنَ الْجَنَّةِ، فَأَذِنَ لِلَّذِي تُوُفِّيَ الْآخِرَ مِنْهُمَا، ثُمَّ خَرَجَ، فَأَذِنَ لِلَّذِي اسْتُشْهِدَ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَيَّ، فَقَالَ: ارْجِعْ، فَإِنَّكَ لَمْ يَأْنِ لَكَ بَعْدُ، فَأَصْبَحَ طَلْحَةُ يُحَدِّثُ بِهِ النَّاسَ، فَعَجِبُوا لِذَلِكَ، فَبَلَغَ ذَلِكَ رَسُولَ اللهِ ﷺ، وَحَدَّثُوهُ الْحَدِيثَ، فَقَالَ: «مِنْ أَيِّ ذَلِكَ تَعْجَبُونَ؟» فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! هٰذَا كَانَ أَشَدَّ الرَّجُلَيْنِ اجْتِهَادًا، ثُمَّ اسْتُشْهِدَ، وَدَخَلَ هَذَا الْآخِرُ الْجَنَّةَ قَبْلَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَلَيْسَ قَدْ مَكَثَ هَذَا بَعْدَهُ سَنَةً؟» قَالُوا: بَلَى، قَالَ: «وَأَدْرَكَ رَمَضَانَ فَصَامَ، وَصَلَّى كَذَا وَكَذَا مِنْ سَجْدَةٍ فِي السَّنَةِ؟» قَالُوا: بَلَى، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «فَمَا بَيْنَهُمَا أَبْعَدُ مِمَّا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ»[1]

"قبیلہ بَلِیؓ کے دو آدمی نبی ﷺ کے پاس (ہجرت کرکے مدینہ) آگئے۔ وہ دونوں اکٹھے مسلمان ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک دوسرے کی نسبت (نیکی کے کاموں میں) زیادہ محنت کرنے والا تھا، چنانچہ اس محنت کرنے والے نے جہاد کیا اور شہید ہوگیا۔ دوسرا آدمی اس کے بعد ایک سال تک زندہ رہا، پھر وہ فوت ہوگیا۔ حضرت طلحہ نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوں۔ اچانک دیکھا کہ وہ دونوں بھی وہاں موجود ہیں۔ جنت سے ایک آدمی باہر آیا اور اس نے آخر میں فوت ہونے والے کو (جنت میں جانے کی) اجازت دے دی۔ (کچھ دیر بعد) وہ پھر نکلا اور شہید ہونے والے کو اجازت دے دی۔ پھر میری طرف متوجہ ہو کر کہا: واپس چلے جاؤ، ابھی آپ کا وقت نہیں آیا۔ صبح ہوئی تو طلحہ نے لوگوں کو خواب سنایا، انہیں اس پر تعجب ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی معلوم ہوا، اور لوگوں نے نبی ﷺ کو (تفصیل سے خواب کی) بات سنائی۔ آپ نے فرمایا: تمہیں کس بات پر تعجب ہے؟ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! دونوں میں یہ شخص زیادہ محنت والا تھا، پھر اسے شہادت بھی نصیب ہوئی لیکن جنت میں دوسرا اس سے پہلے چلا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ (دوسرا) اس (پہلے) کے بعد ایک سال تک زندہ نہیں رہا؟ اُنہوں نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: اس نے رمضان کا مہینہ پایا اور اس میں روزے رکھے اور سال میں اتنی اتنی رکعت نماز پڑھی؟ اُنہوں نے کہا: جی ہاں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان دونوں (کے درجات) میں تو آسمان وزمین کے درمیانی فاصلے سے بھی زیادہ فرق ہے۔"

---

1 سنن ابن ماجه: كِتَابُ تَعْبِيرِ الرُّؤْيَا (بَابُ تَعْبِيرِ الرُّؤْيَا)، رقم ٣٩٢٥، قال الألباني: صحيح، التعليق الرغيب (١/ ١٤٢، ١٤٣)... مسند احمد: مسند باقي العشرة المبشرة، رقم ١٤٠٣، ١٣٨٩... قال شعيب الارناؤط: حسن لغيره

لیلۃ القدر اگر کسی مسلمان کو مل جائے تو اس کو ہزار ماہ یعنی ۸۳ سال سے زائد عبادت کا ثواب ملتا ہے اور ۸۳ سال عام انسانوں کی اوسط عمر سے زیادہ ہے۔ چنانچہ ایک رمضان جس میں روزے اور قیام اللیل بھی ہوتے ہیں، زندگی بھر کی عبادت سے بڑا مقام عطا کر سکتا ہے، اس لیلۃ القدر کے ثواب سے بھی اس حدیث کی تائید ہوتی ہے۔ رمضان میں رکھے جانے والے روزوں کے ثواب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کہا کہ

«كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ، الْحَسَنَةُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَة ضِعْفٍ، قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ: إِلَّا الصَّوْمَ، فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ أَجْلِي»، «لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ: فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهِ، وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ»، «وَلَخُلُوفُ فِيهِ أَطْيَبُ عِنْدَ الله مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ»[1]

"ابن آدم کا ہر عمل بڑھایا جاتا ہے۔ نیکی دس گنا سے سات سو گنا تک (بڑھادی جاتی ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سوائے روزے کے (کیونکہ) وہ (خالصتاً) میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ وہ میری خاطر اپنی خواہش اور اپنا کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں ایک خوشی اس کے (روزہ) افطار کرنے کے وقت کی اور (دوسری) خوشی اپنے ربّ سے ملاقات کے وقت کی۔ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔"

روزے کی فضیلت میں قرآن کریم میں ہے:

﴿ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ [البقرۃ:۱۸۴]

"تم روزہ رکھو، یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔"

اور قیام اللیل کے بارے میں قرآن میں ہے:

﴿ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا٘ وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ٘ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾[السجدۃ:۱۶-۱۷]

"ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں۔ وہ اپنے پروردگار کو خوف اور اُمید سے پکارتے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں دیا، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ کوئی یہ نہیں جانتا کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کی کیا کچھ چیزیں ان کے لئے چھپار کھی گئی ہیں، یہ ان کاموں کا بدلہ ہوگا جو وہ کیا کرتے تھے۔"

چنانچہ رمضان کے اہم اور نمایاں اعمال: روزہ، قیام اللیل اور اعتکاف تینوں ایسے مبارک اعمال ہیں جن کے

---

۱ صحیح مسلم: كِتَابُ الصِّيَامِ (بَابُ فَضْلِ الصِّيَامِ)، رقم ۲۷۰۷

ثواب کو اللہ تعالیٰ نے بیان نہیں کیا۔ بلکہ اسے غیر معمولی اجر، جسے دیکھ کر انسان خوش ہو جائے، سے ذکر کیا ہے۔ علما کا کہنا ہے کہ وہ اجر جن کا تذکرہ قرآن وسنت میں متعین نہیں کیا گیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے اوپر چھوڑا ہے، ان تمام اجور سے بڑھ کر ہیں، جن کا تذکرہ کر دیا گیا ہے۔ حافظ ابن رجب فرماتے ہیں:

''مذکورہ بالا حدیث میں روزے کو دوگنے اجر والے اعمال سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ چنانچہ سب اعمال ۱۰ سے ۷۰۰ گنا تک اضافہ کئے جاتے ہیں، سوائے روزوں کے، کیونکہ ان کو دوگنا کرنا اس ۷۰۰ کے عدد میں مقید نہیں بلکہ اللہ عزوجل اس کو بلا حساب کئی گنا کر دیتے ہیں۔ کیونکہ روزے صبر کا نتیجہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ صبر کرنے والے اپنا اجر بلا حساب دیے جائیں گے۔ اسی بنا پر نبی کریم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے اس ماہ کو ماہ صبر قرار دیا ہے۔''[1]

جس حدیث میں رمضان کے اعمال کا ثواب سات سو گنا تک ہو جانے کا وعدہ دیا گیا ہے، وہ سیدنا سلمان فارسی کی آمدِ رمضان کے حوالے سے مشہور لمبی حدیث ہے، اور اسی میں رمضان کو ماہِ صبر اور ماہ ہمدردی قرار دیا گیا ہے، لیکن یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ آگے وضاحت آرہی ہے۔

مزید بر آں رمضان میں صوم، قیام اللیل اور لیلۃ القدر کے قیام: تین چیزوں پر تمام گناہوں کی معافی کی بشارت سنائی گئی ہے، اور رمضان کو سال بھر کے گناہوں کا کفارہ بھی قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

«الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ، وَالْجُمْعَةُ إِلَى الْجُمْعَةِ، وَرَمَضَانُ إِلَى رَمَضَانَ، مُكَفِّرَاتٌ مَا بَيْنَهُنَّ إِذَا اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ»[2]

''جب (انسان) کبیرہ گناہوں سے اجتناب کر رہا ہو تو پانچ نمازیں، ایک جمعہ (دوسرے) جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک، درمیان کے عرصے میں ہونیوالے گناہوں کو مٹانے کا سبب ہیں۔''

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان میں تمام اعمالِ خیر کا اجر بے پناہ بڑھ جاتا ہے۔

۹۔ ہمدردی وخیر خواہی

ایک مسلمان کے لئے صبر وہمدردی، خیر خواہی اور نرمی وشفقت بھی بہت سا ثواب عطا کرتے ہیں۔ تاہم ماہ رمضان میں اس حوالے سے آنے والی خصوصی احادیث ضعیف ہیں۔ اس سلسلے میں اہم ترین حدیث سیدنا

---

۱ لطائف المعارف از ابن رجب: ص ۱۵۰

۲ صحیح مسلم: كِتَابُ الطَّهَارَةِ ،بَابُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ وَالْجُمُعَةِ إِلَى ، رقم ۵۵۲

سلمان فارسی سے بیان کی جاتی ہے، جس میں رمضان کو شهر المواساة، شهر الصبر قرار دیا گیا ہے۔[1]

اور یہ حدیث مقبول ہے جس میں رمضان میں دوسروں کے کام آنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ

«... ولأن أمشي مع أخ في حاجة أحب إلي من أن أعتكف في هذا المسجد، (يعني مسجد المدينة) شهرًا ...»[2]

"میں اپنے مسلمان بھائی کی کوئی ضرورت پوری کرنے کو نکلوں تو یہ میرے لئے مسجدِ نبوی میں اعتکاف کرنے سے بہتر ہے۔"

روزے سے افضل عمل

بعض مبارک کام ایسے بھی ہیں، جن کا اجر رمضان کے اعمال اور روزے سے بھی زیادہ ہے، مثلاً

«أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ، وَالصَّلَاةِ، وَالصَّدَقَةِ؟». قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ الله! قَالَ:«إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ، وَفَسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ: الْحَالِقَةُ»

"کیا میں تمہیں روزے، نماز اور صدقے سے بڑھ کر افضل درجات کے اعمال نہ بتاؤں؟" صحابہ نہ کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا" آپس کے میل جول اور روابط کو بہتر بنانا۔ (اور اس کے برعکس) آپس کے میل جول اور روابط میں پھوٹ ڈالنا (دین کو) مونڈ دینے والی خصلت ہے۔"

«السَّاعِي عَلَى الأَرْمَلَةِ وَالمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ الله أَوِ القَائِمِ اللَّيْلَ الصَّائِمِ النَّهَارَ»[3]

"بیواؤں اور مسکینوں کے کام آنے والا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے برابر ہے، یا رات بھر عبادت اور دن کو روزے رکھنے والے کے برابر ہے۔"

پہلی حدیث میں براہ راست روزے اور نماز سے بہتر عمل کی بات کی گئی ہے جبکہ دوسری حدیث میں رمضان کے بنیادی اعمال: روزے اور قیام اللیل کے اجر کے برابر فضیلت کا وعدہ دیا گیا ہے۔ (جاری ہے)

---

۱ ابن خزیمہ: کتاب الصوم، باب فضائل شہر رمضان ۳/۱۹۱، رقم ۱۸۸۷، شعب الایمان از بیہقی: فضائل شہر رمضان: ۵/۲۲۳، رقم ۳۳۳۶.... قال الاعظمی: ضعیف

۲ السلسلة الصحيحة للألباني: ۹۰۶... قضاء الحوائج از ابن ابی الدنیا: ۳۶، حلیة الأولیاء از ابو نعیم: ۶/۳۴۸

۳ صحيح البخاري :كِتَابُ النَّفَقَاتِ (بَابُ فَضْلِ النَّفَقَةِ عَلَى الأَهْلِ)، رقم ۵۳۵۳

قانون و قضا

پاکستانی اور سعودی دساتیر اور نظامہائے عدل کا تقابلی جائزہ

مولانا ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی مدیر اعلیٰ 'محدث'

۱۲، ۱۳؍ مئی ۲۰۱۷ء کو انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد کے زیر اہتمام **نظام القضاء في الدّول الإسلامية** (النظرية والتطبيق) کے عنوان سے بین الاقوامی کانفرنس کے مرکزی مباحث میں تشریع الأحكام القضائية في الإسلام (المصادر التي يجب أن يعتمد عليها القاضي في إصدار أحكامه) کے تحت درج ذیل مقالہ پیش کیا گیا، جس کے تحت پاکستان اور سعودی عرب کے عدالتی نظام کی قانونی حدود کے لئے پہلے دونوں دساتیر کا جائزہ لیا گیا اور دونوں دساتیر کی الگ الگ اسلامی خصوصیات کا ذکر کرکے چند تقابلی نکات بھی پیش کئے گئے ہیں جس کے بعد دونوں اسلامی ممالک کے نظام القضاء کی چند خصوصیات کا ذکر اور تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

حصہ اوّل: پاکستانی اور سعودی دساتیر کی اسلامی خصوصیات کا تجزیہ

کسی بھی ملک میں جاری قانونی نظام کے دو اہم پہلو ہیں:

ایک پہلو تو دستوری اور بنیادی قانون کے حوالے سے ہوتا ہے کہ اس میں اُصولی طور پر کیا کیا ضوابط قائم کئے گئے ہیں، یہ دستور یا نظام الحکم Constitution کہلاتا ہے۔ جبکہ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس دستور و قانون یا انصاف کے حصول کے لئے کیا طریقہ کار اختیار کیا جائے گا، جس میں قاضی کون ہوں گے؟ کس طرح نظام قضا چلے گا، اور فیصلہ کس طرح ہوگا، اگر کسی فیصلہ میں کوئی کوتاہی رہ گئی ہو تو نظر ثانی یا اپیل کا طریقہ کار کیا ہوگا؟ وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ اس کو نظام القضاء Judicial Systems کہا جاتا ہے۔

اس وقت ۱۹۷۳ء میں منظور ہونے والا پاکستانی دستور ملک میں نافذ العمل ہے، جس میں اب تک ۲۸ ترامیم بھی ہو چکی ہیں، یہ دستور ۲۸۰ دفعات پر مشتمل ہے۔ جبکہ سعودی عرب میں نافذ العمل نظام الحکم (دستور) یکم مارچ ۱۹۹۳ء کو نافذ کیا گیا، جس کے سات حصوں میں ۸۰ دفعات ہیں، اس کے ساتھ ہی مجلس شوریٰ کا نظام

بھی قائم کیا گیا جس کی ۳۴۴ دفعات ہیں۔ ذیل میں ہر دو دساتیر کی اسلامی دفعات کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

پاکستانی دستور کی اسلامی دفعات

واضح رہے کہ پاکستانی نظام میں ایک قانون تو وہ ہے جو پارلیمنٹ کے ذریعے منظور ہوتا ہے، اور دوسرا قانون کا وہ حصہ ہے جسے شرعی عدالت یا دیگر عدالتیں اصل قانون کی وضاحت کرتے ہوئے متعین کرتی ہیں۔ ان ہر دو بنیادوں پر پاکستان کے مرکزی اور ذیلی قوانین میں اسلامی دفعات کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

① قرارداد مقاصد (Objective Resolution) ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی نے منظور کی تھی جو دستور کا دیباچہ ہی رہی، تاہم ۱۹۷۷ء کے انقلاب کے بعد پاکستانی دستور کے آرٹیکل 2 کے بعد 2A کا اضافہ کرکے قرارداد مقاصد کو آئین کا لازمی حصہ مارچ ۱۹۸۵ء میں بنایا گیا تھا۔ لیکن پاکستان کی سپریم کورٹ کے پانچ ججوں پر مشتمل فل بینچ نے جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ کی سربراہی میں زیر سماعت مقدمہ حاکم خان وغیرہ بنام حکومت پاکستان میں بتاریخ ۱۹ جولائی ۱۹۹۲ء فیصلہ کیا کہ آرٹیکل 2A کو دستور کے باقی آرٹیکل پر کوئی بالادستی حاصل نہیں ہے۔ اس لیے پارلیمنٹ ہی دیگر آرٹیکلز میں ترمیم کرکے تضادات ختم کر سکتی ہے۔[۲]

قرارداد مقاصد کے اہم نکات ملاحظہ ہوں:

☆ ''اللہ تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلا شرکتِ غیرے حاکم مطلق ہے۔ اس نے جمہور کے ذریعے مملکتِ پاکستان کو جو اختیار سونپا ہے، وہ اس کی مقررہ حدود کے اندر مقدس امانت کے طور پر استعمال کیا جائے گا۔

☆ مجلس دستور ساز نے جو جمہور پاکستان کی نمائندہ ہے، آزاد و خود مختار پاکستان کے لیے ایک دستور مرتب کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جس کی رو سے مملکت اپنے اختیارات و اقتدار کو جمہور کے منتخب نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے گی۔

☆ اسلام کے جمہوریت، حریّت، مساوات، رواداری اور عدلِ عمرانی کے اُصولوں کا پورا اتباع کیا جائے گا۔

---

۱ 'قرار داد مقاصد بنام سپریم کورٹ آف پاکستان کا تجزیہ' منجانب سردار شیر عالم خان (ایڈووکیٹ)، مترجم چوہدری محمد یوسف (ایڈووکیٹ)، الشریعہ اکیڈمی، گوجرانوالہ، اشاعت اول، ۱۹۹۴ء

۲ PLD 1992, Supreme Court 595 اور 'قرار داد مقاصد بنام سپریم کورٹ آف پاکستان کا تجزیہ' منجانب سردار شیر عالم خان (ایڈووکیٹ)، مترجم چوہدری محمد یوسف (ایڈووکیٹ)، الشریعہ اکیڈمی، گوجرانوالہ، ۱۹۹۴ء

☆ مسلمانوں کو اس قابل بنادیا جائے گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو قرآن وسنت میں درج اسلامی تعلیمات ومقتضیات کے مطابق ترتیب دے سکیں۔"

پاکستان کے دستور ۱۹۷۳ء میں جو مزید دفعات اسلامی کہی جاتی ہیں، ان کا مختصر ذکر یوں ہے:

② آرٹیکل ۲۹ سے ۴۰ تک جو پالیسی کے اصول ہیں، وہ بھی اسلامی تہذیب وتمدن کے فروغ پر مبنی ہیں اگرچہ آرٹیکل ۳۰ کی شق ۲ میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ انہیں کسی عدالت میں قانونی لزوم کے طور پر چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم قومی زبان اردو کے بارے میں سپریم کورٹ نے حال ہی میں آرٹیکل ۲۵۱ کے تحت اہم فیصلہ کیا ہے جسے نافذ کرنے کے لیے وزیر اعلیٰ پنجاب نے نوٹیفکیشن کر دیا ہے۔

③ مسلم عائلی قوانین ۱۹۶۱ء

④ قادیانی غیر مسلم اقلیت ۷؍ستمبر ۱۹۷۴ء

⑤ ہائیکورٹوں میں شریعت بنچ ۱۹۷۹ء[1]

⑥ بدکاری کا انسداد ۱۹۶۲ء

⑦ حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ء

⑧ سود کا خاتمہ... ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن کے سلسلے میں

⑨ وفاقی شرعی عدالت کا قیام... ۲۶ مئی ۱۹۸۰ء

⑩ زکوٰۃ وعشر آرڈیننس... ۲۰ جون ۱۹۸۰ء

⑪ نفاذِ شریعت آرڈیننس ۱۵ جون ۱۹۸۸ء

⑫ حق شفعہ کے قانون کی بیشتر دفعات جو سپریم کورٹ آف پاکستان (شریعت اپلیٹ بنچ) کے فیصلہ ۱۹۸۶ء کی رو سے غیر اسلامی قرار پائیں۔

---

۱ جنہیں بعد میں وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ (شریعت اپلیٹ بنچ) میں ڈھال دیا گیا۔ اگرچہ اس میں سے اہم قوانین بشمول آئین، پرسنل لاز، مالیاتی قوانین (۲۶ جون ۹۰ء تک) اور عدالتوں وغیرہ کے طریقہ کار سے متعلق ضابطہ کے قوانین کو مستثنیٰ کر دیا گیا۔ چونکہ اس غرض سے شرعی عدالت کے دائرہ کار کے بارے میں قانون کی تعریف (دستور کے باب ۳؍الف میں) یوں ہے:

۲۰۳ب(ج) "قانون میں کوئی رسم یا رواج شامل ہے جو قانون کا اثر رکھتا ہو مگر اس میں دستور، مسلم شخصی قانون، کسی عدالت یا ٹریبونل کے ضابطہ کار سے متعلق کوئی قانون یا اس بات کے آغازِ نفاذ سے دس سال کی مدت گزرنے تک کوئی مالی قانون یا محصولات یا فیسوں کے عائد کرنے اور جمع کرنے یا بنکاری یا بیمہ کے عمل اور طریقہ سے متعلق کوئی قانون شامل نہیں ہے۔"

⑬ قصاص و دیت کے قانون کی ۵۶ دفعات (جون ۱۹۹۰ء میں سپریم کورٹ آف پاکستان (شریعت اپلیٹ بنچ) نے قرآن و سنت کے احکام کے منافی قرار دیں۔ اس فیصلہ میں یہ اہم امر بھی شامل کیا کہ اگر متعینہ مدت تک نیا قانون نافذ نہ کیا گیا تو قرآن و سنت کے احکامات براہ راست نافذ ہوں گے۔

⑭ امتناعِ توہین رسالت کا قانون، ۳۰/ اپریل ۱۹۹۱ء، شرعی عدالت کے فیصلے کی رو سے

⑮ بعض سودی قوانین جنہیں ۲۶ جون ۱۹۹۰ء کے بعد ۱۴/ نومبر ۱۹۹۱ء کو وفاقی شرعی عدالت نے غیر اسلامی قرار دیا تھا۔ لیکن اب تک اپیلوں اور ریمانڈ وغیرہ کے ذریعے حکومت نے سودی قوانین کو شریعت سے محفوظ کر رکھا ہے۔[1]

سعودی عرب کے دستور (نظام الحکم) کی اسلامی دفعات

سعودی دستور کی براہ راست نفاذِ شریعت کے بارے میں اہم دفعات کا متن مع ترجمہ حسبِ ذیل ہے:

① المادة الأولىٰ: المملكة العربية السعودية دولة عربية إسلامية، ذات سيادة تامة، دينها الإسلام، ودستورها كتاب الله تعالى وسنة رسول الله، ولغتها هي اللغة العربية، وعاصمتها مدينة الرياض.

"آرٹیکل ۱ : مملکتِ سعودی عرب مکمل طور پر خود مختار عرب اسلامی ملک ہے، اس کا دین 'اسلام'، دستور 'کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ'، زبان 'عربی' اور دارالحکومت 'الریاض' ہے۔"

② المادة السادسة: يبايع المواطنون الـمَلِك على كتاب الله تعالى وسنة رسوله، وعلى السمع والطاعة في العُسر واليسر والمنشط والمكره.

"آرٹیکل ۶ : ملک کے تمام شہری بادشاہ کی، کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ پر، نیز تنگی و خوشحالی اور پسند و ناپسند، ہر صورت میں سمع و طاعت پر بیعت کریں گے۔"

③ المادة السابعة: يستمدّ الحكم في المملكة العربية السعودية سلطته من كتاب الله تعالىٰ وسنة رسوله، وهما الحاكمان على هذا النظام وجميع أنظمة الدولة.

---

1 سپریم کورٹ آف پاکستان، (شریعت اپلیٹ بنچ) نے ۲۳ دسمبر ۱۹۹۹ء کو اس فیصلہ کی توثیق کر دی۔ جسے حکومت کے لیے نافذ کرنے کی آخری میعاد ۳۰ جون ۲۰۰۲ء تھی۔ لیکن حکومت کی کوششوں سے شریعت اپلیٹ بنچ نے یہ فیصلہ ریمانڈ کر کے وفاقی شرعی عدالت کو واپس بھیج دیا۔ اسلامی بینکاری کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی کا اسی شمارے میں مطبوعہ مضمون

"آرٹیکل ۷: ملک میں حکومت کے جملہ اختیارات کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی بنا پر ہوں گے، اور ان دونوں (کتاب وسنت) کو اس نظامِ حکومت اور ملک میں رائج دیگر تمام نظاموں پر بالادستی اور برتری حاصل ہوگی۔"

④ المادة الثامنة: يقوم الحكم في المملكة العربية السعودية على أساس العدل والشورٰى والمساواة وفق الشريعة الإسلامية.

"آرٹیکل ۸: حکومت، شریعتِ اسلامی کے مطابق عدل وانصاف، شورائیت اور مساوات جیسے بنیادی اُصولوں پر قائم رہے گی۔"

⑤ المادة التاسعة: الأسرة هي نواة المجتمع السعودي، ويُربي أفرادها على أساس العقيدة الإسلامية وما تقتضيه من الولاء والطاعة لله ولرسوله ولأولي الأمر، واحترام النظام وتنفيذه وحبّ الوطن والاعتزاز به وبتاريخه المجيد.

"آرٹیکل ۹: سعودی معاشرے کی بنیاد 'خاندان' ہے جس کے افراد کی تربیت اسلامی عقیدے کی بنیاد پر کی جائے گی، جس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ، اُس کے رسول ﷺ اور اولوا الامر کی اطاعت وفرمانبرداری قبول کی جائے۔ اسی طرح حکومت کے نافذ کردہ نظاموں کا احترام، وطن کی عزت ومحبت اور اس کی شاندار تاریخ کی بنیاد پر کیا جائے۔"

⑥ المادة العاشرة: تحرص الدّولة على توثيق أواصر الأسرة، والحفاظ على قيمها العربية والإسلامية، ورعاية جميع أفرادها، وتوفير الظروف المناسبة لتنمية ملكاتهم وقدراتهم.

"آرٹیکل ۱۰: حکومت، خاندان کے مابین تعلق کو مضبوط بنانے، اس کی عربی اور اسلامی اقدار کی حفاظت کرنے، اس کے تمام افراد کی دیکھ بھال اور ان کی اہلیتوں اور صلاحیتوں کو پروان چڑھانے اور ان سے بھرپور فائدہ اُٹھانے کے لیے مناسب ماحول مہیا کرنے میں انتہائی طور پر کوشاں رہے گی۔"

⑦ المادة الحادية عشرة: يقوم المجتمع السعودي على أساس من اعتصام أفراده بحبل الله، وتعاونهم على البر والتقوى، والتكافل فيما بينهم، وعدم تفرقهم.

"آرٹیکل ۱۱: سعودی معاشرے کا قیام اس اساس پر ہوگا کہ اس کے تمام افراد اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں، نیکی اور پرہیزگاری کے اُصولوں پر ایک دوسرے سے تعاون کریں، باہم ایک دوسرے

کا سہارا بنیں اور تفرقہ سے اجتناب کریں۔"

⑧ المادة الثانية عشرة: تعزيز الوحدة الوطنية واجب، وتمنع الدولة كل ما يؤدي للفرقة والفتنة والانقسام.

"آرٹیکل ۱۲: ملکی وحدت اور سالمیت کی حفاظت ہر سعودی شہری کا فرض ہے اور حکومت ہر ایسی کوشش سے روکے گی جو فرقہ بندی، فتنہ فساد اور انقسام پر منتج ہو۔"

⑨ المادة الثالثة عشرة: يهدف التعليم إلى غرس العقيدة الإسلام في نفوس النشىء، وإكسابهم المعارف والمهارات، وتهيئتهم ليكونوا أعضاء نافعين في بناء مجتمعهم محبين لوطنهم معتزين بتاريخه.

"آرٹیکل ۱۳: نئی نسل کے دلوں میں اسلامی عقیدے کی ترکیز و آبیاری، اسے علوم و فنون میں مہارت حاصل کرنے کے لیے امداد مہیا کرنا اور اس طرح تیار کرنا کہ وہ اپنے معاشرے کی تعمیر میں نفع بخش ثابت ہو، اپنے وطن سے محبت اور اپنی تاریخ پر فخر کرے، یہ تعلیم کے اہداف ہوں گے۔"

⑩ المادة السابعة عشرة: الملكية ورأس المال والعمل مقومات أساسية في الكيان الاقتصادي والاجتماعي، وهي حقوق خاصة تؤدي وظيفة اجتماعية وفق الشريعة الإسلامية.

"آرٹیکل ۱۷: ملکیت، سرمایہ اور محنت... ملک کے اقتصادی اور اجتماعی ڈھانچے کی بنیادیں ہیں۔ یہ خاص (انفرادی) حقوق ہیں جو شریعتِ اسلامیہ کے مطابق اجتماعی خدمت سرانجام دیتے ہیں۔"

⑪ المادة العشرون: لاتفرض الضرائب والرسوم إلا عند الحاجة، وعلى أساس من العدل، ولايجوز فرضها أو تعديلها أو إلغاؤها أو الإعفاء منها إلا بموجب النظام.

"آرٹیکل ۲۰: ٹیکس اور محصولات صرف ضرورت کے تحت اور منصفانہ بنیاد پر عائد کئے جائیں گے۔ ان کا عائد کرنا یا ان میں کوئی ترمیم، یا ان کو معاف کرنا صرف نظام کے مطابق عمل میں آئیں گے۔"

⑫ المادة الحادية والعشرون: تجبى الزكاة وتنفق في مصارفها الشرعية.

"آرٹیکل ۲۱: زکوٰۃ وصول کی جائے گی اور اسے اس کے شرعی مصارف میں خرچ کیا جائے گا۔"

⑬ المادة الثالثة والعشرون: تحمي الدولة عقيدة الإسلامية وتطبق شريعته، وتأمر بالمعروف وتنهى عن المنكر، وتقوم بواجب الدعوة إلى الله.

"آرٹیکل ۲۳: حکومت، عقیدۂ اسلام کی حفاظت اور شریعتِ اسلامیہ کو نافذ کرے گی، اَمر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ سر انجام دے گی اور دعوت الی اللّٰہ کا اہتمام کرے گی۔"

⑭ المادة الرابعة والعشرون: تقوم الدولة بإعمار الحرمين الشريفين وخدمتها وتوفر الأمن والرعاية لقاصديهما، بما يمكن من أداء الحج والعمرة والزيارة بيُسرٍ وطمأنينة.

"آرٹیکل ۲۴: حکومت، حرمین شریفین کی تعمیر اور ان کی خدمت کا فرض پورا کرے گی، ان کی طرف قصد کرنے والوں کے لیے امن و سلامتی اور ان کی دیکھ بھال کو یقینی بنائے گی تاکہ حج و عمرہ اور زیارتِ (مسجدِ نبویؐ) آسانی اور اطمینان و سکون سے انجام پا سکیں۔"

⑮ المادة الخامسة والعشرون: تحرص الدولة على تحقيق آمال الأمة العربية والإسلامية في التضامن وتوحيد الكلمة وعلى تقوية علاقاتها بالدول الصديقة.

"آرٹیکل ۲۵: حکومت، عرب اور مسلم اُمت کے باہمی تعاون اور اتحاد کی آرزوؤں کی تکمیل کے لیے انتہائی کوشاں رہے گی اور دوست ممالک کے ساتھ اپنے تعلقات مستحکم کرے گی۔"

⑯ المادة السادسة والعشرون: تحمي الدولة حقوق الإنسان وفق الشريعة الإسلامية.

"آرٹیکل ۲۶: مملکت شریعتِ اسلامیہ کے مطابق حقوقِ انسانی کی حفاظت کرے گی۔"

⑰ المادة السابعة والعشرون: تكفل الدولة حق المواطن وأسرته في حالة الطوارئ والمرض والعجز والشيخوخة، وتدعم نظام الضمان الاجتماعي، وتشجع المؤسسات والأفراد على الإسهام في الأعمال الخيرية.

"آرٹیکل ۲۷: ہنگامی حالت، بیماری، معذوری اور بڑھاپے میں حکومت سعودی شہری اور اس کے خاندان کے حقوق کی کفالت، 'سوشل سیکورٹی' (تحفظِ عامہ) کے نظام کی مالی امداد اور فلاحی کاموں میں حصہ لینے والے اداروں اور افراد کی حوصلہ افزائی کرے گی۔"

⑱ المادة الثالثة والثلاثون: تنشيء الدولة القوات المسلحة وتجهزها، من أجل الدفاع عن العقيدة والحرمين الشريفين والمجتمع والوطن.

"آرٹیکل ۳۳: حکومت مسلح افواج بنائے گی اور اُنہیں عقیدۂ اسلامیہ، حرمین شریفین، معاشرے اور وطنِ عزیز کے دفاع کے لیے تیار کرے گی۔"

⑲ المادة الرابعة والثلاثون: الدفاع عن العقيدة الإسلامية والمجتمع والوطن واجب على

كل مواطن، ويبين النظام أحكام الخدمة العسكرية.

"آرٹیکل ۳۴: عقیدہ اسلامیہ، معاشرے اور وطن کا دفاع کرنا ملک کے ہر شہری پر لازم ہو گا۔ تاہم ایک الگ نظام فوجی خدمات کے دیگر اَحکام کو واضح کرے گا۔"

⑳ المادة الثامن والثلاثون: العقوبة شخصية ولا جريمة ولاعقوبة إلا بناء على نص شرعي، أو نص نظامي، ولا عقاب إلا على الأعمال اللاحقة للعمل بالنص النظامي.

آرٹیکل ۳۸: سزا فرد کا شخصی معاملہ ہے۔ کسی شرعی یا انتظامی خلاف ورزی کے بغیر کوئی فعل جرم قرار نہیں پائے گا، نہ اس پر سزا دی جا سکے گی اور سزا بھی اُسی فعل پر دی جائے گی جو اس کے متعلق جاری ہونے والے نظام کے بعد سرزَد ہو۔"

㉑ المادة الثالثة والأربعون: مجلس الملك ومجلس ولي العهد، مفتوحان لكل مواطن ولكل مَن له شكوىٰ أو مظلمة، ومن حق كل فرد مخاطبة السلطات العامة فيما يعرض له من الشؤون.

"آرٹیکل ۴۳: بادشاہ اور ولی عہد کے ایوان ہر شہری اور ہر اس شخص کے لیے کھلے ہیں جسے کوئی شکایت ہو یا جس کا حق سلب کیا گیا ہو۔ نیز ہر شہری کو اپنے معاملات کے سلسلے میں متعلقہ حکام سے رجوع کرنے کا حق ہو گا۔"

㉒ المادة الخامسة والأربعون: مصدر الإفتاء في المملكة العربية السعودية كتاب الله تعالىٰ وسنة رسول الله، ويبين النظام ترتيب هيئة كبار العلماء وإدارة البحوث العلمية والإفتاء واختصاصاتها.

"آرٹیکل ۴۵: مملکت میں فتویٰ دینے کا سرچشمہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ہے۔ قانون کے ذریعے 'کبار علماء کونسل' اور 'ادارہ بحوثِ علمیہ' کی ترتیب اور دونوں کے فرائض کو بیان کر دیا جائے گا۔

㉓ المادة السادسة والأربعون: القضاء سلطة مستقلة ولا سلطان على القضاة في قضائهم لغير سلطان الشريعة الإسلامية.

"آرٹیکل ۴۶: 'عدلیہ' ایک آزاد اور بااختیار ادارہ ہو گا جس پر شریعتِ اسلامیہ کی بالادستی و برتری کے علاوہ اور کوئی بالادستی نہیں ہو گی۔"

㉔ المادة الثامنة والأربعون: تطبق المحاكم على القضايا المعروضة أمامها أحكام الشريعة

الإسلامية وفقًا لما دلّ عليه الكتاب والسنة، وما يصدره ولي الأمر من أنظمة لا تتعارض مع الكتاب والسنة.

آرٹیکل ۴۸: تمام عدالتیں پیش ہونے والے جملہ مقدمات میں شریعتِ اسلامیہ کے احکامات کے مطابق فیصلہ کرنے کی پابند ہوں گی جیسا کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے ثابت ہیں۔ نیز کسی بھی محکمے کا کوئی نگران نظام ہائے حکومت سے متعلقہ جو بھی حکم جاری کرے تو وہ کسی صورت کتاب وسنت سے متعارض نہ ہو۔"

⑮ المادة السابعة والستون: تختص السلطة التنظيمية بوضع الأنظمة واللوائح فيما يحقق المصلحة، أو يرفع المفسدة في شؤون الدولة وفقًا لقواعد الشريعة الإسلامية، وتمارس اختصاصاتها وفقًا لهذا النظام ونظامي مجلس الوزراء ومجلس الشورٰى.

آرٹیکل ۶۷: انتظامیہ کو شریعتِ اسلامیہ کے قواعد کے دائرے میں رہتے ہوئے ایسے ضوابط اور پروگرام بنانے کا اختیار حاصل ہوگا جو مصالح عامہ اور رفعِ مفاسد کے لیے معاون ثابت ہوں گے۔ اسی طرح انتظامیہ اپنے خصوصی اختیارات، اس دستور، کابینہ اور مجلس شوریٰ کے نظاموں کے مطابق استعمال کرے گی۔"

پاکستان اور سعودی عرب کے دساتیر کے اسلامی آرٹیکلز کا ایک تقابلی جائزہ

① کتاب وسنت کی براہِ راست تنفیذ یا ان کے حوالے سے بننے والے قانون کی: سعودی عرب کا دستور ونظام براہِ راست کتاب وسنت کی تنفیذ[1] ہے، جبکہ پاکستانی دستور وقانون میں پارلیمنٹ کی بالادستی[2] ہے۔ حتیٰ کہ کتاب وسنّت سے مستنبط احکام کا تعین بھی پارلیمنٹ کا ہی مرہونِ منت ہے۔ اور سپریم کورٹ کے فل بنچ کے فیصلے ۱۹۹۲ء کی رو سے ان اسلامی احکام کو دیگر دستوری دفعات پر کوئی بالادستی حاصل نہیں ہوگی بلکہ اس کے منافی کسی دستوری آرٹیکل یا قانون کے تضاد کو دور کرنے کا اختیار صرف پارلیمنٹ کو حاصل

۱ سعودی دستور (نظام الحکم) کے آرٹیکل نمبر ا، اور آرٹیکل نمبر ۷ کے علاوہ مذکورہ بالا تمام آرٹیکل کا خلاصہ یہ ہے کہ سعودی نظام الحکم (دستور) کی رو سے خیر وشر اور حق وباطل کے پہلو سے شریعت کی مطابقت حکام وعوام کے لئے لازمی ہوگی، جبکہ انتظامی مصلحتوں کے بارے میں شریعت کے منافی نہ ہونے کی شرط عائد ہے۔

۲ دستور کا آرٹیکل ۲/اے: (یعنی قرار دادِ مقاصد میں بیان کردہ اصول اور احکام کو بذریعہ ہذا دستور کا مستقل حصہ قرار دیا جاتا ہے اور وہ بحسبہٖ مؤثر ہوں گے) اور 'مقدمہ حاکم خاں بنام حکومتِ پاکستان وغیرہ' میں سپریم کورٹ فل بنچ کا فیصلہ PLD 1992, Supreme Court 595

ہے۔ کوئی عدالت ایسے تضاد کو ختم کرنے کا اختیار نہیں رکھتی۔

② قرآن وسنت کے منافی قرار دینے کا اُلجھا طریق کار: دستور کے باب نہم (اسلامی احکام) آرٹیکل ۲۲۷ تا ۲۳۱ میں قرآن وسنت سے مستنبط احکام کے منافی کسی قانون کو کالعدم قرار دینے کی بات توضرور کہی گئی ہے، لیکن اس کو نافذ العمل کرنے کا طریق کار اس قدر طوالت اور اُلجھاؤ کا شکار ہے کہ ان مستنبط اسلامی احکام کا نفاذ بھی عملاً ایک خواب بن کر ہی رہ گیا ہے۔ آرٹیکل ۲۲۷ (۲) کا اردو ترجمہ یوں ہے:

"شق (۱) کے احکام کو صرف اس طریقہ کے مطابق نافذ کیا جائے گا، جو اس حصہ [باب نہم] میں منضبط ہے۔"

③ انسانی حقوق کا براہ راست نفاذ جبکہ شریعت قانون سازی کی محتاج: پاکستانی دستور کے باب اوّل میں انسانی حقوق (آرٹیکل ۸ تا ۲۸) کو توعدلیہ براہِ راست نافذ کرسکتی ہے اور جج اپنے فیصلے میں انسانی حقوق کے منافی کسی قانون کا پابند نہیں ہے، لیکن شریعت کو قانون سازی کے ذریعے بالواسطہ ہی نافذ کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ سپریم کورٹ کے شریعت اپلیٹ بنچ نے شفعہ اور حدود وغیرہ کے بعض مقدمات میں یہ صراحت بھی کی کہ "متبادل قانون نہ آنے کی صورت میں شرعی احکامات ہی براہِ راست نافذ العمل ہوں گے۔"

جبکہ باب اوّل میں مندرج حقوق کے حصول کے لئے ہائیکورٹ کے اختیاراتِ سماعت پر کوئی پابندی نہیں ہے:

"۱۹۹ج (۲): دستور کے تابع، حصہ دوم کے باب ۱ میں تفویض کردہ بنیادی حقوق میں سے کسی حق کے نفاذ کے لئے کسی عدالت عالیہ سے رجوع کرنے کا حق محدود نہیں کیا جائے گا۔"

④ وفاقی شرعی عدالت سے اہم قوانین کا استثنا اور متبادل قوانین کے لئے پارلیمنٹ سے رجوع: شرعی عدالت کے اختیارات کے بارے میں دستور کے باب ۳/ الف کی رو سے دستور وغیرہ اہم قوانین کو مستثنیٰ کرکے فیڈرل شریعت کورٹ اور سپریم کورٹ (شریعت اپلیٹ بنچ) بنایا گیا، تو اسے غیر محدود طول طویل سماعت کے بعد جن ذیلی قوانین کو کلی یا جزوی طور پر کالعدم قرار دینے کا اختیار دیا گیا، تو پھر بھی اصل قانونی اختیار پارلیمنٹ کو ہی حاصل رہا ہے۔ نتیجتاً دستور کے دونوں باب (۳/ الف اور باب نہم) عملاً غیر مؤثر ہوگئے ہیں۔ جیسا کہ دستورِ پاکستان کے باب ۳/ الف (وفاقی شرعی عدالت) میں قانون کی تعریف کو یوں محدود کردیا گیا ہے:

۲۰۳ب (ج) "قانون میں کوئی رسم یا رواج شامل نہیں ہے جو قانون کا اثر رکھتا ہو مگر اس میں دستور،

مسلم شخصی قانون، کسی عدالت یا ٹریبونل کے ضابطہ کار سے متعلق کوئی قانون یا اس بات کے آغازِ نفاذ سے دس سال کی مدت گزرنے تک کوئی مالی قانون یا محصولات یا فیسوں کے عائد کرنے اور جمع کرنے یا بنکاری یا بیمہ کے عمل اور طریقہ سے متعلق کوئی قانون شامل نہیں ہے۔"[1]

جبکہ وفاقی شرعی عدالت کا مقصد ۲۰۳د (۳/الف) میں یوں بیان کیا گیا ہے:

"اگر عدالت کی طرف سے کوئی قانون یا قانون کا کوئی حکم اسلامی احکام کے منافی قرار دے دیا جائے تو ... الف) وفاقی فہرست قانون سازی میں شامل کسی امر کے سلسلے میں کسی قانون کی صورت میں صدر یا کسی ایسے امر کے سلسلے میں مذکورہ فہرست میں سے کسی میں بھی شامل نہ ہو، کسی قانون کی صورت میں گورنر اس قانون مین ترمیم کرنے کے لئے اقدام کرے گا، تاکہ مذکورہ قانون یا حکم کو اسلامی احکام کے مطابق بنایا جائے۔

(۳ب): مذکورہ قانون یا حکم اس حد تک جس حد تک اسے بایں طور منافی قرار دے دیا جائے، اس تاریخ سے جب عدالت کا فیصلہ اثر پذیر ہو، مؤثر نہیں رہے گا۔"[2]

⑤ حکمتِ عملی کے اصول (اسلامی تہذیبی قوانین) فی الحال نافذ العمل نہیں: دستور کے باب ۲ (حکمتِ عملی کے اصول، آرٹیکل ۲۹ تا ۴۰) کی رو سے اسلامی تہذیب وتمدن سے متعلق بعض اہم قوانین کو حکمتِ عملی کے اصولوں کو پالیسی کے طور پر پیش تو کیا گیا ہے، تاہم اسی باب کے آرٹیکل ۳۰ (شق ۲) میں یہ شرط عائد کر دی گئی ہے کہ مذکورہ پالیسی کے قوانین قابل نفاذ نہیں ہیں:

"کسی فعل یا کسی قانون کے جواز پر اس بنا پر اعتراض نہیں کیا جائے گا کہ وہ حکمت عملی کے اصولوں کے مطابق نہیں ہے اور نہ اس بنا پر مملکت، مملکت کے کسی شعبے یا ہیئت مجاز یا کسی شخص کے خلاف کوئی قانونی کارروائی قابل سماعت ہو گی۔"

⑥ کتاب وسنت سے متضاد ہونا یا اس کے مطابق ہونا؟ پاکستانی دستور کے اسلامی آرٹیکلز میں کسی قانون کے کتاب وسنت سے متضاد ہونے کی بات کہی گئی ہے، جبکہ سعودی عرب کے دستور (نظام الحکم) میں کسی بھی

۱ مالیاتی قوانین کے بارے میں دس سال کی مدت پوری ہونے کے بعد اب وفاقی شرعی عدالت کو مالی قوانین کے بارے میں اختیار سماعت حاصل ہو چکا ہے۔

۲ صدارتی حکم نمبر ا، ۱۹۸۴ء... سیکشن: ۲ (اے) مجریہ ۱۴/ فروری ۱۹۸۴ء

قانون کے لئے لازمی ہے کہ وہ کتاب وسنت کے مطابق ہو یا اس سے ماخوذ ہو اور کتاب وسنت کے منافی ہونے کی بات صرف انتظامی اختیارات کے بارے میں ہے جن کو 'نظام' کا نام دیا جاتا ہے۔[1]

مفسر قرآن شیخ شنقیطی لکھتے ہیں:

"قانون کی دو قسمیں ہیں: شرعی اور انتظامی۔ شرعی قانون (شریعت) میں خالق ارض وسما کے فیصلے کو چھوڑ کر قانون سازی کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کُفر کے مترادف ہے۔ جبکہ انتظامی قانون میں یہ اُصول ہے کہ وہ قانون شرعی احکام کے منافی نہ ہو، جیسے ملازمین کی رخصت ومعاوضہ ودیگر اُمور کی تنظیم وغیرہ کے قوانین تو ایسے قوانین تشکیل دینے میں کوئی حرج نہیں۔"[2]

جیسا کہ آغاز میں ذکر ہوا کہ یہ مقالہ انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد کی شریعہ اکیڈمی کے زیر اہتمام المصادر التی یجب أن یعتمد علیھا القاضی في إصدار أحکامه کے موضوع پر تیار کیا گیا ہے، اس مناسبت سے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کے سابق صدر، وفاقی وزارتِ مذہبی امور کے سابق وزیر، اور وفاقی شرعی عدالت کے سابق جج ڈاکٹر محمود احمد غازی کے بعض افکار بھی پیش خدمت ہیں:

ڈاکٹر محمود احمد غازی سعودی عرب کے نفاذِ شریعت کے ماڈل کو اسلامی دنیا میں نفاذ شریعت کا کامیاب ترین تجربہ قرار دیتے ہیں، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کے نتیجے میں سعودی عرب میں دنیا بھر سے زیادہ امن وامان بھی پایا جاتا ہے، آپ لکھتے ہیں:

"اس معاملے میں غالبًا واحد استثنا برادر ملک سعودی عرب کا ہے جہاں اسلام کے فوجداری قوانین انتہائی مؤثر انداز میں نافذ ہیں۔ یہ کہنا غلط نہیں ہو گا کہ حدود اور اسلام کے فوجداری قوانین کا جتنا مؤثر نفاذ سعودی عرب میں ہوا ہے، اتنا مؤثر نفاذ دنیا کے کسی اور ملک میں نہیں ہوا۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کے حدود اور فوجداری قوانین کے ثمرات وقتًا فوقتًا بیان کیے جاتے رہے ہیں، جن کی وجہ سے اسلام کے قوانین حدود کو مؤثر سمجھا جاتا رہا، اس کی واحد کامیاب مثال ابھی تک برادر ملک سعودی عرب ہی ہے۔"[3]

1 سعودی دستور (نظام الحکم): آرٹیکل نمبر ۱، ۷ وغیرہ بالخصوص آرٹیکل نمبر ۴۸

2 تفسیر أضواء البیان: ۴/ ۸۴

3 'علم اصول فقہ، ایک تعارف': ج۳/ ص ۱۶۸

اس کے بالمقابل ڈاکٹر غازی پاکستان میں جاری شریعت کی قانون سازی کے تجربے کو فوری سہولت اور وقتی مجبوری کے تحت اختیار کرنے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ تجربہ تو وہ تھا جو پاکستان میں سامنے آیا۔ لیکن اس تجربے کی کمزوریوں یا اس میں غلطیوں کے باوجود کم از کم شخصی قوانین کی حد تک پاکستان میں آیا اور پاکستان کے علاوہ متعدد مسلم ممالک میں عدم تقنین کا تجربہ خاصی کامیابی سے جاری ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ شخصی قوانین پر اُردو، انگریزی اور دوسری زبانوں میں کثرت سے مواد دستیاب ہے۔ ان احکام پر گزشتہ دو سو، ڈھائی سو سال سے مسلسل عمل ہو رہا ہے اور کیس لاء پر اتنا مواد اور نظائر (Precedents) تیار ہو گئے ہیں کہ اب کسی نئی صورت حال کا پیش آنا انتہائی شاذ و نادر حالات میں ہوتا ہے جس کے لیے اعلیٰ عدالتیں فیصلہ دے کر ایک نئی نظیر قائم کر دیتی ہیں۔"[1]

سعودی اور خلیجی ممالک کے نظام کی کامیابی اور اثر پذیری کو تسلیم کرتے اور پاکستان میں جاری قانونی طریقہ کار کو فوری سہولت قرار دینے کے بعد ڈاکٹر محمود غازی لکھتے ہیں کہ درحقیقت تدریجاً ایک مثالی اور بہتر نظام کی طرف پیش قدمی بہر طور ضروری ہے:

"حکومتِ وقت یا قانون ساز ادارہ ایک نقطہ نظر کو لازم اور واجب التعمیل قرار دے اور اس کی بنیاد پر ایک فیصلہ متعین کر دے جس کی روشنی میں قانون کی تدوین کی جائے۔(صفحہ ۱۷۳)

جس کی موجودگی کسی بھی اسلامی دستور کے لیے ناگزیر ہے اور کون سی چیز وہ ہے جو محض انتظامی نوعیت کی ہے، جس کی حیثیت وقتی ہوگی۔(صفحہ ۱۶۴)

جب ایسا نظامِ تعلیم کام شروع کر دے گا اور ایسے متخصصین سامنے آنے شروع ہو جائیں گے، اس وقت شاید یہ کہا جا سکے گا کہ قوانین شریعت کو مدوّن اور ضابطہ بند کرنے کی ضرورت ختم ہو گئی ہے لیکن جب تک ایسا نہیں ہوتا اور ملک کے عام قانون داں، وکلاء اور جج صاحبان احکام شریعت سے براہ راست واقفیت رکھنے والے کثیر تعداد میں دستیاب نہ ہوں، اس وقت تک عدم تقنین یا مختصر تقنین سے نفاذ شریعت کے تقاضے پورا کرنا انتہائی مشکل کام معلوم ہوتا ہے۔" (ایضاً)

1 ایضاً: صفحہ ۱۷۵

حصہ دوم: سعودی اور پاکستانی نظامِ عدل کی خصوصیات اور تقابلی جائزہ

بلاشبہ عدالتی نظام کا مقصد فریقین کے مابین متنازعہ حقوق کے بارے میں 'حق بحق دار رسید' ہوتا ہے۔ مزید برآں بنیادی حقوق (مذہب، جان، عقل، نسل اور مال وغیرہ) کے تحفظ کے لئے ضروری ہے کہ کمزور فریق پر طاقتور فریق کی زیادتی کا ازالہ کیا جائے۔ پاکستانی نظام میں اگرچہ بڑی ذمہ داری عدلیہ پر ڈالی گئی ہے، تاہم سرکاری ملازمین کے ناجائز اختیارات کے ازالہ کے لئے سویڈن سے درآمدہ ایک نظامِ احتساب Ombudsman بھی رائج ہے۔ لیکن قانون کا تصور زیادتی کرنے والے کو سزا دے کر صرف تحفظ دینے تک محدود ہے۔

دوسری طرف سعودی عرب کا نظام انصاف اسلامی تاریخ کے تسلسل میں تین متوازی رمربوط اداروں پر مشتمل ہے۔ چنانچہ عدلیہ کے علاوہ دو اہم ادارے الحسبة (هيئة الامر بالمعروف والنهي عن المنكر) اور دیوان المظالم بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ کیونکہ شریعت کا مقصد سزا کے ذریعے صرف دُکھ دینے کا نہیں بلکہ فرد و معاشرہ کو اس طرح سنوارنا ہے کہ وہ نہ صرف ایک دوسرے کے حقوق سلب نہ کریں، بلکہ سزا کے ذریعے معاشرے کو امن وامان کو گہوارا بنا دیا جائے۔ عربی زبان کے لفظ 'تعزیر' کا مفہوم 'معاشرتی برائیوں کا علاج کر کے استحکام پیدا کرنا' ہے۔ اس لئے تادیب (ادب وسلیقہ سکھانا) کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ چونکہ شریعت صرف قانون نہیں ہے بلکہ حقوق و فرائض دونوں کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا جب تک فرد اور معاشرے کی تربیت نہ کی جائے، حقوق کا تحفظ اور امن وامان قائم نہیں ہو سکتا۔ اسی غرض سے نظامِ احتساب (هيئة الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر) کا مقصد یہ ہے کہ معاشرے میں بھلائی کو فروغ ملے اور برائیوں کا خاتمہ ہو۔ یہ ایک خود کار نظام ہے جو شکایت کنندہ کے بغیر بھی جاری وساری رہتا ہے۔ عبادات کے علاوہ اخلاق و معاملات کے وسیع دائرہ کی اصلاح اسی نظامِ احتساب کی ذمہ داری ہے۔

اسی طرح دیوانِ مظالم کا بڑا مقصد اختیارات کے حامل، افسروں اور عہدیداروں کی کڑی نگرانی ہے۔ جس میں نظامِ احتساب کے افسران اور عدلیہ کے عہدیداران کے غیر محدود اختیارات کی حامل زیادتیوں کا ازالہ بھی کیا جاتا ہے۔ Check & Balance کے دو مستقل اور متوازی نظاموں کے وسیع دائرہ کار کی وجہ سے عدلیہ پر زیادہ دباؤ نہیں رہتا بلکہ عام عدالتوں سے صرف وہ لوگ رجوع کرتے ہیں، جو نظامِ احتساب اور دیوان المظالم سے انصاف حاصل نہ کر سکیں۔

واضح رہے کہ دیوان المظالم حکومت کی پوری مشینری کے علاوہ Administrative Courts کی صورت ایک مستقل عدالتی نظام بھی رکھتا ہے۔ (اس کا ذکر عدالتی نظام کے ضمن میں آرہا ہے)

فی الحال مقالہ مختصر کرنے کے لئے نظام احتساب اور دیوان المظالم دونوں پر تبصرہ نہیں کیا جارہا بلکہ صرف عام سعودی اور پاکستانی عدالتی نظام کی چند ایک خصوصیات کا جزوی تقابلی مطالعہ ہی پیش کیا جاتا ہے، البتہ یہ امر قابل ذکر ہے کہ عدلیہ کے فیصلوں کی مؤثر تنفیذ کے لئے بھی تقریباً تین سال قبل سعودی عرب نے المحاكم المختصة للتنفيذ کے نام سے مزید نظام قائم کیا ہے (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔) سعودی عرب کے عدالتی نظام اور پاکستان کے عدالتی نظام کی خصوصیات کا ایک خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

① عدالتی ڈھانچہ: انصاف کے عمل کو آسان اور یقینی بنانے کے لئے سعودی نظام عدل میں مقدمات کی نوعیت کے مطابق عدالتوں کی تقسیم اور درجہ بندی کی گئی ہے جیسا کہ نظام عدل ۱۴۲۸ھ کا آرٹیکل نمبر ۹ اور ۵۱ اس کی صراحت کرتا ہے۔ چنانچہ سعودی عرب میں مقدمات کی نوعیت کے اعتبار سے محاكم الدرجة الأولى (درجہ اوّل کی عدالتیں) پانچ طرح کی ہیں:

ا المحاكم العامة	(جنرل کورٹس)
ب المحاكم الجزائية	(کریمنل کورٹس)
ج محاكم الأحوال الشخصية	(پرسنل لاز کورٹس)
د المحاكم التجارية	(بزنس کورٹس)
ہ المحاكم العمالية	(لیبر کورٹس)

ہر طرح کی عدالتوں کی اپیل کے لئے محاكم الاستيناف (ہائی کورٹس) اور المحكمة العليا (سپریم کورٹس) بھی موجود ہیں۔ جن کو مجلس القضاء الأعلىٰ (سپریم جوڈیشل کونسل) کنٹرول کرتی ہیں جبکہ نظام دیوان المظالم کی بھی ادنیٰ سے اعلیٰ سب عدالتوں پر پوری نگرانی ہوتی ہے۔ دیوان المظالم کی عدالتوں کو المحاكم الإدارية (Administrative Courts) کہتے ہیں۔ جن کی اُسی طرح ادنیٰ سے اعلیٰ درجہ بندی ہے یعنی

المحاكم الإدارية پر محاكم الاستيناف الإدارية (Administrative High Courts)
اور المحكمة الإدارية العُليا (Administrative Supreme Courts) موجود ہیں۔

ان کو مجلس القضاء الإداري (Supreme Administrative Judicial Council) کنٹرول کرتی ہے۔

مزید برآں سعودی عرب میں تقریباً پانچ سال قبل ۱۳/ شعبان ۱۴۳۳ھ کو عدالتی فیصلوں پر عمل درآمد

کے لئے تیسری قسم کی تنفیذی عدالتوں کا ایک معاون نظام بھی قائم کیا گیا ہے۔ جسے دو سال بعد ۲۲ر رمضان ۱۴۳۵ھ (۲۰ر جولائی ۲۰۱۴ء) کو المحاكم المتخصّصة للتنفيذ Special Enforcement Courts کے نام سے مستقل حیثیت دے دی گئی ہے تاکہ فیصلوں پر فوری اور مؤثر عمل درآمد ہو سکے۔

④ سعودی نظام عدل جدید ترین خطوط پر استوار ہے، اور پوری دنیا کے ایسے جدید ترین تکنیکی وسائل اور سہولیات سے استفادہ کرتا ہے جو شریعتِ مطہرہ کے مخالف نہ ہوں۔

③ سعودی نظام عدل فریقین (سعودی شہری اور غیر ملکی باشندوں) کو اپنا ہر مسئلہ پیش کرنے یا فیصلہ کے خلاف اپیل دائر کرنے کا مکمل حق دیتا ہے، چاہے براہ راست فریقین اپنا مقدمہ پیش کریں یا وکیل کی مدد حاصل کریں۔ جیسا کہ نظام عدل کا آرٹیکل ۴۷ یہ قرار دیتا ہے کہ

"حق التقاضي مكفول بالتساوي للمواطنين والمُقيمين في المملكة، ويُبين النظام الإجراءات اللازمة لذلك"

"مطالبہ اور استحقاق پیش کرنے کا حق سعودی عرب میں تمام شہریوں اور تارکین وطن کو برابر حاصل ہے جس کا طریقہ کار متعلقہ نظام میں وضاحت سے پیش کر دیا گیا ہے۔"

④ سعودی نظام عدل ایسے انسانی حقوق کے تحفظ کی ضمانت بھی دیتا ہے جو قرآن وسنت کے مخالف نہ ہوں۔ جیسا کہ آرٹیکل نمبر ۲۶ قرار دیتا ہے کہ

"تحمي الدولة حقوق الإنسان، وفق الشريعة الإسلامية"

"حکومت شریعت کے مطابق تمام انسانی حقوق کے تحفظ کی ضامن ہے۔"

⑤ عدالتی طریقہ کار: سعودی نظام عدل میں حقوق کی حفاظت اور زیادتی کے ازالہ کے لیے فیصلے کا میزان اور اس کے طریق کار (Procedural System) کے لیے حتمی معیار کتاب وسنت ہی ہیں، تمام فیصلہ جات اور نظاموں کے لئے ضروری ہے کہ وہ کتاب وسنت کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ ہوں جیسا کہ سعودی دستور کا آرٹیکل نمبر ۱ اور نمبر ۷ اسی کا تقاضا کرتے ہیں۔

⑥ نظام عدل پر حکام کا اثر ورسوخ بھی انہی اختیارات تک محدود اور مشروط ہے، جو کتاب وسنت نے اُنہیں دیے ہیں اور وہ نفاذِ شریعت، نظامات، عوام الناس کے مصالح اور ملک کے تحفظ و دفاع کے نگران و ذمہ دار ہیں جیسا کہ آرٹیکل نمبر ۵۵ میں اس کو واضح کیا گیا ہے۔ اور آرٹیکل نمبر ۵۰ یہ تقاضا کرتا ہے کہ بادشاہ اور اس کے مقرر کردہ حکام شرعی اور عدالتی نظام کے نفاذ کے ذمہ دار ہوں گے۔

پاکستانی جوڈیشل سسٹم (نظامِ عدل) کے منتخب حصے

① پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں کے جج حضرات کی نگرانی کے لئے دستور کے آرٹیکل نمبر ۲۰۹ میں سپریم جوڈیشل کونسل کا ذکر ہے:

"پاکستان کی ایک اعلیٰ عدالتی کونسل ہوگی، جس کا حوالہ اس باب میں کونسل کے طور پر دیا گیا ہے۔ جو چیف جسٹس آف پاکستان، سپریم کورٹ کے دو سینئر ترین ججز اور ہائیکورٹس کے دو سینئر ترین ججز پر مشتمل ہوگی۔"

۲۰۹(۸): "کونسل ایک ضابطہ اخلاق جاری کرے گی جس کو عدالتِ عظمی اور عدالت ہائے عالیہ کے جج ملحوظ رکھیں گے۔"

② پاکستانی دستور میں ماتحت عدالتوں کے فیصلوں پر نگرانی/اپیل کی سہولت مہیا کی گئی ہے اور اعلیٰ عدالتوں کے لیے ایک اہم اختیار Writ System کا بھی ہے جن سے گزر کر آخری فیصلہ سپریم کورٹ (عدالتِ عظمیٰ) کا ہوگا۔ جیسا کہ سپریم کورٹ کو دستور کا آرٹیکل ۱۸۵ یہ اختیار دیتا ہے کہ

"اس آرٹیکل کے تابع عدالتِ عظمیٰ کو کسی عدالتِ عالیہ کے صادر کردہ فیصلوں، ڈگریوں، حتمی احکام یا سزاؤں کے خلاف اپیلوں کی سماعت کرنے اور ان پر فیصلہ صادر کرنے کا اختیار ہوگا۔"

③ اور ہائی کورٹ کو دستور کا آرٹیکل ۲۰۱ اور ۲۰۳ یہ اختیار دیتا ہے کہ

۲۰۱: "آرٹیکل ۱۸۹ کے تابع کسی عدالت عالیہ کا کوئی فیصلہ، جس حد تک کہ اس میں کسی امر قانونی کا تصفیہ کیا گیا ہو یا وہ کسی اصول قانون پر مبنی ہو یا اس کی وضاحت کرتا ہو، ان تمام عدالتوں کے لئے واجب التعمیل ہوگا جو اس کے ماتحت ہوں۔"

۲۰۳: "ہر عدالت عالیہ اپنی ماتحت عدالتوں کی نگرانی اور انضباط کرے گی۔"

④ پاکستانی دستور میں مختلف عدالتوں کے جج حضرات کی بنیادی اہلیت یہ ہے:

آرٹیکل ۱۷۷(۱): سپریم کورٹ کے چیف اور جج کو صدرِ پاکستان یوں مقرر کرے گا کہ

(۲الف) کم از کم پانچ سال تک یا مختلف اوقات میں اتنی مدت تک جو مجموعی طور پر پانچ سال سے کم نہ ہو، کسی عدالتِ عالیہ کا جج رہا ہو (ب) کم از کم پندرہ سال تک یا مختلف اوقات میں اتنی مدت تک جو مجموعی طور پر ۱۵ سال سے کم نہ ہو، کسی عدالت عالیہ کا ایڈووکیٹ رہا ہو۔"

آرٹیکل ۱۹۳: ہائی کورٹ کے جج کے لئے پاکستان کا شہری اور ۴۵ سال عمر ہونا ضروری ہے۔

الف)۱۰ سال تک ہائی کورٹ کا ایڈووکیٹ رہا ہو۔ یا
ب)۱۰ سال سول سروس کی ہو، جس میں تین سال ڈسٹرکٹ جج بھی رہا ہو۔ یا
ج)دس برس تک پاکستان میں عدلیہ کا عہدیدار رہا ہو۔
جبکہ وفاقی شرعی عدالت کے جج کی اہلیت دستور کے آرٹیکل ۲۰۳ج میں مذکور ہے:
یہ عدالت چیف جسٹس سمیت ۸ ججوں پر مشتمل ہو گی۔(۳الف)" ججوں میں سے زیادہ سے زیادہ چار ایسے اشخاص ہوں گے جن میں ہر ایک کسی عدالت عالیہ کا جج ہو یا رہ چکا ہو یا بننے کا اہل ہو۔ اور زیادہ سے زیادہ تین علماء ہوں گے جو اسلامی قانون، تحقیق یا تعلیم میں کم از کم پندرہ سالوں کا تجربہ رکھتے ہوں۔"[1]

گویا پاکستانی قانون میں جج کے لئے شرعی علوم کی مہارت بلکہ معرفت ہونا بھی ضروری نہیں۔ اگر ہے بھی تو وہ شرعی عدالت تک محدود ہے۔

⑤ پاکستانی نظام قضا میں سابقہ عدالتی نظائر کی قانونی حیثیت یہ ہے:
آرٹیکل نمبر ۱۸۹: "عدالتِ عظمیٰ کا کوئی فیصلہ، جس حد تک کہ اس میں کسی امر قانونی کا تصفیہ کیا گیا ہو، یا وہ کسی اصول و قانون پر مبنی ہو یا اس کی وضاحت کرتا ہو، پاکستان میں تمام دوسری عدالتوں کے لئے واجب التعمیل ہو گا۔"

اور ہائیکورٹ کی ماتحت عدالتوں پر نگرانی اور اس کے فیصلوں کی پابندی پر دستور کا آرٹیکل ۲۰۱ تا ۲۰۳ صراحت کرتے ہیں، جیسا کہ ان کا متن اوپر گزرا ہے۔

سعودی اور پاکستانی نظامِ عدل کا تقابلی تجزیہ

① کتاب و سنت کی بالادستی یا قانون کی: سعودی عرب میں جج پر صرف کتاب و سنت کی بالادستی[2] ہے، جبکہ پاکستان میں وہ قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کا پابند[3] ہے۔ یعنی سعودی عرب میں عدلیہ کا مقصد انسانی حقوق کے سلسلے میں انصاف کا حصول اور زیادتی کا ازالہ ہوتا ہے، جبکہ پاکستان میں قانون کا نفاذ برتر حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔ خواہ انصاف ملے یا نہ ملے کیونکہ پاکستان میں قانون وضع کئے بغیر کوئی شے نافذ العمل نہیں ہوتی۔

---

۱ دستور (اٹھارویں ترمیم) ایکٹ ۲۰۱۰ (نمبر ۱۰ بابت ۲۰۱۰) کی دفعہ ۴۷ کی رو سے بعض الفاظ تبدیل کیے گئے۔
۲ سعودی دستور (نظام الحکم) کا آرٹیکل نمبر ۴۶ اور ۷... نظام القضاء کا آرٹیکل نمبر ۱
۳ مقدمہ 'حاکم خاں بنام حکومت پاکستان وغیرہ'، پی ایل ڈی ۱۹۹۲، ایس سی ۵۹۵، فیصلہ فل بنچ سربراہی: جسٹس نسیم حسن شاہ

④ حق اور سچ کی تلاش یا خصومانہ نظام: سعودی عرب کا عدالتی نظام، مزاج کے لحاظ سے حق اور سچ کی تلاش ہے جس کی پوری ذمہ داری ججوں پر عائد ہوتی ہے جبکہ پاکستان کا عدالتی نظام خصومانہ Adversary System ہے۔ لہٰذا دونوں پارٹیوں کے بھرپور مقابلے کے درمیان جج کا کردار صرف ریفری کا ہوتا ہے۔اصل مقابلہ فریقین کے بجائے وکیلوں کا ہوتا ہے جو کبھی نہیں ہارتے کیونکہ ان کو ہر صورت میں بڑی سے بڑی فیس مل جاتی ہے۔

① ایڈورسری سسٹم کا قانون طریق کار کے ضمن میں آتا ہے، جس کا علم صرف ماہرین قانون کو ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں وکیل کے سوا کسی کی بات سنی نہیں جاتی اور قانون کی تشریح بھی وکیل کی ہی معتبر ہے جو اعلیٰ عدالتوں کے فیصلوں کی نشاندہی کے ذریعے اپنی تشریح کو قانونی شکل دیتا ہے۔ مقدمہ کی طوالت میں بار اور بنچ کی باہمی مفاہمت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس لئے عدالتیں وکلا کو پورا موقع دیتی ہیں کہ وہ کب متعلقہ قانونی تیاری مکمل کرکے بحث کریں۔

② سعودی عرب میں گواہ کا معیاری ہونا ضروری ہے، جس کا ذریعہ تزكية الشهود[1] ہے، جبکہ پاکستان میں گواہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ سزا یافتہ نہ ہو۔ گواہی کی سچائی اور جھوٹ کا فیصلہ مخالف وکیل کی جرح سے تضاد کی صورت میں مدعا علیہ اور ملزم کے حق میں جاتا ہے۔ یہ سارا وکیل کا ہی ہے۔ مقولہ مشہور ہے: ملزم قانون کا لاڈلا بیٹا ہے۔

③ اعلیٰ عدالتوں کے جج حضرات اور معروف قانون دان تو پاکستان کے Adversary System سے واقف ہیں لیکن انٹر نیشنل یونیورسٹی اسلام آباد کی شریعہ اکیڈمی نے دسمبر ۲۰۱۵ء میں سعودی عدالتی نظام کے جائزے کے لئے جوڈیشل مجسٹریٹ، سول ججز اور ایڈیشنل سیشن ججز پر مشتمل ۲۴ رکنی وفد بھیجا تھا جس کی رپورٹ شریعہ اکیڈمی نے حال ہی میں شایع کی ہے۔ ان جج حضرات میں سے ایک جوڈیشل مجسٹریٹ ذیشان منظور کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

> The Judicial System in KSA as I understood is inquisitorial in nature. Judges take Pains to search for truth rather acting as referees as happens in an adversarial systems.[2]

---

۱ سعودی اور پاکستانی نظام میں گواہی سے متعلقہ قوانین

۲ Visit of Pakistani Judicial Officers, Shariah Academy, IIUI, 2016, p.28

③ جج کی اہلیت شرعی مہارت یا قوتِ فیصلہ: حق وسچ کی تلاش جج کا کام ہے، اس لئے سعودی عرب میں کتاب وسنت کی مہارت کے حامل حضرات ہی جج بنائے جاتے ہیں، جو کلیات الشریعۃ کی اعلیٰ ڈگریوں کے علاوہ سپریم جوڈیشل کونسل کے تحت منعقدہ مقابلہ کے تقریری اور تحریری امتحان سے بھی گزرتے ہیں اور پھر ان کو ایک سال سے لے کر تین سال تک کی تربیت[1] بھی دی جاتی ہے۔ جبکہ پاکستان میں جج بننے کی ایل ایل بی تو شرط ہے لیکن کتاب وسنت کی مہارت کی کوئی پابندی نہیں، بلکہ ملکی قانون سے واقفیت اور عدالتوں میں اس کا تجربہ[2] اہمیت رکھتا ہے۔

④ دونوں ممالک میں سابقہ نظائر کی قانونی حیثیت: جج کی صلاحیت لازماً کتاب وسنت کی مہارت ہے حتیٰ کہ پیش آمدہ مقدمہ میں وہ عدالتی نظائر سے استفادہ تو کرتا ہے لیکن ان کا پابند[3] نہیں ہوتا، یعنی موقع پر اجتہاد کرتا ہے۔ جبکہ پاکستانی آئین اور قانون کی تشریح نہ صرف قانون دان کرتے ہیں، بلکہ ادنیٰ عدالتیں، اعلیٰ عدالتوں کے نظائر کی پابند[4] ہوتی ہیں۔

⑤ فیصلہ کا دورانیہ اور سماعتوں کی تعداد: دورانیہ کے بارے میں سعودی عدالتوں کا معمول یہ ہے کہ ۳ ماہ کے اندر اندر زیادہ سے زیادہ پانچ سماعتوں میں فیصلہ کر دیا جاتا ہے جب کہ اپلیٹ کورٹ میں بھی ایک ماہ سے زیادہ کا عرصہ نہیں لگتا۔ جیسا کہ متذکرۃ الصدر وفد کے ایک رکن جج کا تبصرہ یوں ہے:

That each civil case is decided in two to five sessions and that if the complainant or the defendant is not satisfied with the decision of the court, he or she may appeal to the Appellate Court within 30 days ...

Whereas a criminal case if appealed to the Appellate Court for Criminal Case[5] may be decided only in one month.

---

۱ سعودی عرب کا نظام القضا ۱۴۲۸ھ، آرٹیکل ۴۴

۲ پاکستانی دستور میں جج کی اہلیت کے لئے دیکھیں: آرٹیکل نمبر ۱۹۳

۳ خصائص النظام السعودی میں المادۃ الخامسۃ اور پاکستانی ججز کے وزٹ میں شریعہ اکادمی کی رپورٹ: ص ۷

"وأنه يحق للقاضي أن يلغي أي قانون أو حكم من أحكام القانون إن وجد مخالفا للقرآن الكريم أو للسنة النبوية."

۴ پاکستانی دستور کا آرٹیکل نمبر ۱۸۹

۵ Visit of Pakistani Judicial Officers, Shariah Academy, IIUI, 2016, p.6, 7

We were told by the Head of the Criminal Court that the Court of Appeal will decide it in the very first hearing, thus, the total Time for the whole trial in both courts would be less than three months. This makes the justice system one of the fastest and the best in the world[1].

چوں کہ سعودی عرب میں نظام احتساب کے علاوہ تین طرح کے مستقل عدالتی نظام بھی چل رہے ہیں اور ہر نظام میں شہروں اور ان کے حلقوں کے حساب سے ججوں کی ایک بہت بڑی تعداد کام کرتی ہے اس لیے ایک جج کے پاس یومیہ ۵ تا ۸ کیس ہوتے ہیں جبکہ پاکستان میں Adversary System کی وجہ سے طول طویل Litigation ہوتی ہے اس لیے ہر جج کے پاس یومیہ ۸۰ تا ۱۰۰ کیس لگتے ہیں جن میں وکلا کی مصروفیت کی بنا پر اکثر کی سماعت ہی نہیں ہوپاتی۔ مقولہ مشہور ہے کہ "انصاف کی تاخیر بھی ظلم ہے!" ایسا ہی ایک اور مقولہ ہے کہ "انصاف کا عملاً وجود کافی نہیں بلکہ انصاف ہوتا نظر آنا چاہیے۔" اسی طرح سعودی عرب میں عدالتی فیصلہ کی زیادہ سے زیادہ پانچ پیشیاں ہوتی ہیں، جبکہ پاکستان میں ان کی کوئی حد مقرر نہیں اور ادنیٰ عدالت سے لے کر اعلیٰ ترین عدالت کے فیصلوں تک بسا اوقات تین نسلیں بھی گزر جاتی ہیں۔ اسی لئے پاکستان میں بااثر پارٹیاں قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر فیصلہ کرنے کو ترجیح دیتی ہیں جس کی بنا پر کمزور یا تو معافی مانگنے پر مجبور ہوتا ہے یا برائے نام پونجی کالولی پاپ اس کے ہاتھ تھما کر اسے 'صلح' کا نام دیا جاتا ہے۔ ورنہ کمزور ہمیشہ 'ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات' کا شکار رہتا ہے۔

عام طور پر اعلیٰ عدالتوں کے ریٹائرڈ جج حضرات تو خاموش رہتے ہیں لیکن ہائی کورٹ سے ریٹائرڈ ہونے والے وہ جج جو اب سپریم کورٹ میں وکالت کرتے ہیں، نے قتل کے بعض کیسوں کے بارے میں یوں تبصرہ کیا کہ یہاں سب سے بڑی مصیبت 'وکالت' ہے۔ اس بارے میں چند نکات ملاحظہ ہوں:

۱) پاکستان میں بنچ اور بار دونوں بظاہر قانونی نکتوں کی تلاش اور ان کے فیصلوں کے لئے مقدمات کی طوالت کا بہانہ کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جج حضرات اور وکلا کا تو کوئی نقصان نہیں ہوتا کیوں کہ ججوں کی مراعات اور وکلا کی بھاری بھر کم فیسیں انھیں مل جاتی ہیں لیکن پارٹیاں مسلسل Litigation کے اضافہ میں اُلجھتی چلی جاتی ہیں بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ کمزور اور مظلوم ظلم سہنے

1 Ibid, p.17

اور خون کے گھونٹ پینے پر مجبور ہوتا ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

ب) پاکستانی قانون میں اپیل در اپیل میں بھی سالہا سال بیت جاتے ہیں، جبکہ سعودی نظام عدل میں بھی اپیل کا تصور تو موجود ہے لیکن فریقین کی بجائے قضاۃ کے بارے میں نگرانی کا نظام بڑا سخت ہے، تاہم اپلیٹ کورٹ میں فیصلہ کی مدت بھی ایک ماہ سے زیادہ نہیں ہوتی۔

ج) عدالتی فیصلے کے نفاذ کے لئے پہلے سعودی عرب میں جنرل کورٹس کے تحت تنفیذی عدالتیں تقریباً پانچ سال قبل ۱۳؍ شعبان ۱۴۳۳ھ کو قائم کی گئی تھیں، پھر ۲۲؍ رمضان ۱۴۳۵ھ (۲۰؍ جولائی ۲۰۱۴ء) کو ان عدالتوں کو المحاكم المتخصصة للتنفيذ Special Enforcement Courts کے نام سے مستقل حیثیت دے دی گئی ہے۔ جبکہ پاکستان میں فیصلوں کا نفاذ عدلیہ کی بجائے انتظامیہ کی ذمہ داری ہے۔

⑥ سعودی عدلیہ پاکستانی عدلیہ کی نسبت زیادہ آزاد: سعودی اور پاکستانی نظام عدل میں یہ بھی فرق ہے کہ پاکستان میں جج حضرات کے انتخاب اور تعین میں انتظامیہ کا زیادہ دخل ہے جبکہ سعودی عرب میں جج حضرات کے انتخاب میں سپریم جوڈیشل کونسل کا زیادہ دخل ہے۔ علاوہ ازیں پاکستان میں عدالتوں کے فیصلے کا نفاذ انتظامیہ کی ذمہ داری ہے، جبکہ سعودی عرب میں انفورسمنٹ عدالتوں کے قیام کی بنا پر، عدالتی فیصلوں کی فوری اور مؤثر تنفیذ بھی عدالتی دائرہ عمل ہی کا حصہ ہے۔ اسی طرح پاکستانی جج حضرات، پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے کے پابند ہوتے ہیں، جبکہ سعودی عرب کے جج حضرات شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلہ کرنے کے پابند ہیں۔ الغرض ان تین جہات سے سعودی عدلیہ پاکستانی عدلیہ کی نسبت انتظامیہ کے اثر ورسوخ سے زیادہ آزاد ہے۔

نتائج

پاکستان اور سعودی عرب دونوں کے نظامہائے عدل و قانون کے تقابل و تجزیے کے بعد جب ہم مذکورہ بالا نتائج پر پہنچ جاتے ہیں تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کامیاب منزل تک پہنچنے کا راستہ اور طریقہ کیا ہونا چاہیے؟ اس کے جواب میں بھی میں ڈاکٹر محمود احمد غازی مرحوم کی رائے پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کے لیے تعلیمی اور تربیتی ادارے اور اکیڈمیاں قائم کی جائیں جو ایسے نصابات کی حامل ہوں جن میں خیر کے دونوں پہلوؤں کا امتزاج ہو۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"جب ان دونوں قوانین کے نصابات پر از سر نو غور کر لیا جائے اور ایک ایسا نظام وضع کیا جائے کہ قانون کی ابتدائی تعلیم ایک حد تک مشترک ہو جس میں فقہ اسلامی میں تخصص کرنے والے حضرات بھی شریک ہوں اور رائج الوقت قوانین میں تخصیص کرنے والے بھی شریک ہوں۔ پھر آگے چل کر جب قانون کے مختلف شعبوں میں اختصاص کا مرحلہ آئے تو فقہ اور اس کے شعبوں میں اختصاص کرنے والے مختلف اداروں میں چلے جائیں اور جدید قوانین اور اس کے شعبوں میں اختصاص کرنے والے مختلف اداروں میں چلے جائیں۔ اس کے باوجود یہ ضروری ہو گا کہ جو لوگ فقہ اور اس کے شعبوں میں تخصص کر رہے ہوں، وہ اپنے متعلقہ موضوع سے ملتے جلتے شعبہ ہائے قوانین میں بھی ضروری حد تک واقفیت حاصل کریں۔ اسی طرح جو لوگ جدید قوانین کے مختلف شعبوں میں تخصص کر رہے ہوں، وہ اپنے متعلقہ موضوع سے ملتے جلتے شعبہ ہائے قوانین میں بھی ضروری حد تک واقفیت حاصل کریں۔ اسی طرح جو لوگ جدید قوانین کے مختلف شعبوں میں تخصص کر رہے ہوں مثلاً جورس پروڈنس یا بین الاقوامی قانون یا دستوری قانون میں وہ اپنے تخصصات سے متعلق فقہی شعبوں میں کسی حد تک واقفیت پیدا کریں۔"[1]

اس نوعیت کے تعلیمی ادارے قائم کرنے سے ہی معاملہ حل نہیں ہو گا، بلکہ اس کو پھر پاکستان میں مؤثر طور پر نافذ کرنے کے لئے ایک بھرپور تحریک کی بھی ضرورت ہے، جیسا کہ ڈاکٹر غازی مزید لکھتے ہیں:

"اس کے لیے ایک ہمہ گیر قانونی اصلاح اور قانونی تعلیم کی ضرورت ہے جو ایک تحریک کے طور پر پورے پاکستان میں عام کی جائے۔ پاکستان میں فقہ کی تعلیم کے نصاب پر از سر نو اور بنیادی طور پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح قانون کی تعلیم کے وہ تمام ادارے جو پاکستان میں قانون کی تعلیم دے رہے ہیں، ان کے نصابات پر از سر نو غور کیے جانے کی ضرورت ہے۔"[2]

حاصل یہ ہے کہ پاکستان میں اس مقصد کے لئے نہ صرف جوڈیشل اکیڈمیاں قائم کرنے کی ضرورت ہے بلکہ ایسی عالمی جوڈیشل ٹریننگ انسٹیٹیوٹس بننے چاہییں جن میں عالم اسلام کے جج حضرات اکٹھے ٹریننگ حاصل کریں تا کہ وہ اپنے اپنے ملکوں کے تجربات کو سامنے رکھتے ہوئے استفادہ اور افادہ کی فضا پیدا کریں۔

---

۱ 'علم اُصول فقہ، ایک تعارف': ص ۱۷۵

۲ ایضاً: ص ۱۷۴

نقد و نظر

جاوید احمد غامدی کے متضاد خیالات اور 'جماعتِ احمدیہ لاہور'!

شکیل عثمانی

گذشتہ دنوں راقم کا ایک مضمون 'غامدی صاحب کا جوابی بیانیہ؛ دستورِ پاکستان اور قادیانیت' پاکستان کے متعدد رسائل[1] میں شائع ہوا تھا جس میں ملک کے ممتاز دانشور جاوید احمد غامدی کے مضمون 'اسلامی ریاست؛ ایک جوابی بیانیہ' کے چند نکات پر گفتگو[2] کی گئی۔ مضمون میں غامدی صاحب کے جوابی بیانیے کے نکتہ نمبر ۴ پر تفصیلی بحث کی گئی تھی اور اُن سے عرض کیا گیا تھا کہ اپنے بارے میں غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے واضح طور پر اعلان کریں کہ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کی آئینی ترمیم کے تحت احمدیوں کو جو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا، یہ قرآن وسنت کے مطابق ہے۔ لیکن راقم کو افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ تاحال غامدی صاحب کی طرف سے ایسا کوئی اعلان سامنے نہیں آیا۔ دراصل اس مضمون نے غامدی صاحب کو ایک مخمصے میں ڈال دیا ہے۔ جماعتِ

---

۱ ہفت روزہ فرائیڈے اسپیشل کراچی کی ۱۵ تا ۲۱ جنوری ۲۰۱۶ء... مزید ماہنامہ 'ختم نبوت' ملتان، ماہنامہ المنبر فیصل آباد، ماہنامہ 'شمس الاسلام' بھیرہ، ماہنامہ 'روحِ بلند' لاہور وغیرہ

۲ ۲۲ جنوری ۲۰۱۵ء کو روزنامہ جنگ میں جاوید احمد غامدی نے 'اسلامی ریاست؛ جوابی بیانیہ' لکھ کر "بیانیہ مباحثہ" کا آغاز کیا جس کی وضاحت قومی اخبارات میں مختلف اہل علم بالخصوص مولانا تقی عثمانی کی طرف کافی وشافی طور پر کر دی گئی، محدث کے شمارہ فروری ۲۰۱۵ء میں اس کا تفصیلی جائزہ ڈاکٹر حافظ محمد زبیر کے قلم سے بھی پیش کیا گیا۔ جوابی بیانیہ کے بعد ابھی حال ہی میں وزیر اعظم نواز شریف نے علمائے کرام سے جامعہ نعیمیہ، لاہور کے ایک اجتماع میں 'قومی بیانیے' کا مطالبہ کیا، جو اپریل ۲۰۱۷ء کے ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ میں مفتی منیب الرحمن صاحب کے قلم سے اتحاد تنظیمات مدارسِ دینیہ کی طرف سے شائع کیا گیا۔ پھر دونوں بیانیوں کا تقابلی تجزیہ بھی 'الشریعہ' کے اسی شمارے میں عدنان اعجاز صاحب کے قلم سے شائع ہوا، جس پر مولانا زاہد الراشدی نے متبادل بیانیہ کے عنوان سے مزید اظہارِ خیال کیا ہے۔ جاوید غامدی کے 'جوابی بیانیہ' پر بعض قیمتی تبصرے سہ ماہی جی، لاہور میں جناب محمد دین جوہر اور جناب نادر عقیل انصاری کی جانب سے بھی قابل مطالعہ ہیں۔ اب بیانیوں کی یہ بحث علما کے روایتی حلقوں سے نکل کر ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد جا پہنچی، جہاں مئی ۲۰۱۷ء میں 'نظریۂ پاکستان اور میثاقِ مدینہ' کے موضوع پر قومی کانفرنس کا انعقاد کر کے ایک قومی دستاویز علمائے کرام کو تائید وتصدیق اور تبصرہ کے لئے ارسال کی گئی جس کو بعد ازاں ادارہ تحقیقات کی جانب سے ایک دستاویز کی شکل میں شائع کرنے کا بھی پروگرام ہے۔ دراصل ان مباحث کے ذریعے پاکستان کے اسلامی حلقوں کو قراردادِ مقاصد اور علما کے ۲۲ نکات کے بعد ایک نئے متجددانہ موقف پر آمادہ کرنے کی سعی کی جا رہی ہے۔ ح م

احمدیہ لاہور کو بھی اپنے عقائد کے سبب ایک ایسے ہی مخمصے کا سامنا ہے۔

① جاوید احمد غامدی اور جماعتِ احمدیہ لاہور کے مخمصوں پر گفتگو کرنے سے قبل سابقہ مضمون کے بعض اہم مباحث کو قارئین کے سامنے تازہ کرنا چاہتا ہوں۔ جنوری ۲۰۱۵ء کا یہ مضمون ملک میں جاری اسلام اور سیکولرزم کی کشمکش کی عکاسی کرتا ہے جس کے دور رس نتائج ہوں گے۔ مضمون کا اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ ''ریاست کا کوئی مذہب یا دین نہیں ہوتا۔'' ماضی میں بھی اس موضوع پر بحث ہوتی رہی ہے جس میں 'جوابی بیانیے' کے مصنف کا نقطۂ نظر وہی رہا ہے جو پاکستان کے راسخ العقیدہ اسلامی مفکرین کا ہے۔ چنانچہ ماہنامہ 'اشراق' میں غامدی صاحب سابق صدر ضیاء الحق کی وفات کے تناظر میں اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

''صدر جنرل محمد ضیاء الحق بھی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ان کی وفات ہماری تاریخ کا ایک ناقابلِ فراموش سانحہ ہے۔ نفاذِ دین کے لیے جو حکمتِ عملی انہوں نے اپنے دورِ اقتدار میں اختیار کیے رکھی، مجھے اگرچہ اس سے سخت اختلاف تھا لیکن ابھی پچھلے ماہ میں نے جب 'شریعت آرڈیننس' کے نفاذ کے بعد ان کی حکمت عملی پر تنقید لکھی تو اس میں یہ بھی لکھا: ''مجھے اس بات کا اعتراف کرنا چاہیے کہ وہ بہر حال اس ملک کی تاریخ میں پہلے سربراہِ مملکت ہیں جنہوں نے اسلام کے ساتھ اپنے تعلق کو بغیر کسی معذرت کے پورے اعتماد کے ساتھ ظاہر کیا۔ اسے برملا اس مملکت کی اساس قرار دیا۔ اس کے بارے میں صاف صاف کہا کہ وہ جس طرح ہماری انفرادی زندگی کا دین ہے، اسی طرح ہماری ریاست کا بھی دین ہے۔ اپنی سربراہی کے پہلے دن سے اس کے نفاذ کے لیے کوشاں ہوئے۔ علما اور اہل دین کے ساتھ بہت عقیدت مندانہ رویہ اختیار کیا۔ ہر قومی اور بین الاقوامی پلیٹ فارم پر، جہاں انہیں موقع ملا، وہ قرآن کی آیات پڑھتے اور اسلام پر اپنے غیر متزلزل یقین کا اظہار کرتے نظر آئے، اور اس ملک میں جہاں اکثر اربابِ سیاست اب بھی اس حماقت میں مبتلا ہیں کہ مذہب انسان کا انفرادی معاملہ ہے اور ریاست کے معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے، وہ ہر جگہ اور ہر موقع پر اس تصور کی بیخ کنی کرتے رہے۔ صدر صاحب کی وفات کے بعد اب اس ملک کے در و دیوار ان حقائق کا اعتراف کر رہے ہیں۔''[1]

خط کشیدہ جملوں میں موصوف نے صدر ضیاء الحق کے الفاظ کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے صدر ضیاء الحق کے نقطۂ نظر سے کسی اختلاف کا اظہار نہیں کیا بلکہ کہا کہ ایسا نہ کرنے والوں کو کہا کہ وہ حماقت میں مبتلا ہیں۔ اب

---

۱ ماہ نامہ اشراق: ستمبر ۱۹۸۸ء، ص ۶

'جوابی بیانیے' میں موصوف کا یہ کہنا کہ ریاست کا کوئی دین نہیں ہوتا، یہ ان کے نقطۂ نظر میں ایک بڑی تبدیلی بلکہ یوٹرن(U-turn) ہے جس کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے:

جو لکھا پڑھا تھا نیاز نے   سو وہ صاف دل سے بھلا دیا

④ جناب جاوید احمد غامدی 'جوابی بیانیے' میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ ''خلافت کوئی دینی اصطلاح نہیں ہے۔''

''خلافت دینی اصطلاح ہے یا نہیں؟'' اس سلسلے میں ہم جاوید احمد غامدی صاحب کے جلیل القدر استاذ امام امین احسن اصلاحی اور اُن (غامدی صاحب) کے استاذ الاستاذ امام حمید الدین فراہی کی تحریریں پیش کرتے ہیں۔ ان علما کا انتخاب ہم نے اس لیے کیا کہ خود غامدی صاحب لکھتے ہیں:

> ''حالی غالب کے شاگرد تھے۔ ان کے مرثیے کا اختتام اُنہوں نے جن شعروں پر کیا ہے، انہیں لوگوں نے اُس زمانے میں حالی کے حسنِ عقیدت پر محمول کیا ہو گا۔ لیکن وقت نے ثابت کر دیا کہ غالب وہی تھا جسے حالی کی آنکھوں نے دیکھا۔ میں نے بھی بہت سے عالم دیکھے، بہتوں کو پڑھا اور بہتوں کو سنا ہے، لیکن امین احسن اور ان کے استاد حمید الدین فراہی کا معاملہ وہی ہے کہ ع
>
> غالبِ نکتہ داں سے کیا نسبت   خاک کو آسماں سے کیا نسبت''[1]

مولانا امین احسن اصلاحی سورہ آل عمران کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝﴾ [آل عمران 105-104]

''اور چاہیے کہ تم میں سے ایک گروہ ایسا ہو جو نیکی کی دعوت دے، معروف کا حکم کرے اور منکر سے روکے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو پراگندہ ہو گئے اور جنہوں نے اختلاف کیا بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح ہدایات آچکی تھیں اور وہی ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے۔''

'خلافت' کے قیام کا بنیادی مقصد

''یہ اُمّت کو اس اہتمام و انتظام کی ہدایت فرمائی گئی ہے جو اعتصام بحبل اللہ پر قائم رہنے اور

1 'مقامات' از جاوید غامدی: طبع دوم، ص ۱۳۰، ۱۳۱

لوگوں کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے یہ ہدایت ہوئی کہ مسلمان اپنے اندر سے ایک گروہ کو اس کام پر مقرر کریں کہ وہ لوگوں کو نیکی اور بھلائی کی دعوت دے، معروف کا حکم کرے اور منکر سے روکے۔ معروف و منکر سے مراد شریعت اور سوسائٹی دونوں کے معروفات و منکرات ہیں اور ان کے لیے امر و نہی کے جو الفاظ استعمال ہوئے ان کا غالب قرینہ یہی ہے کہ یہ کام مجرد وعظ و تلقین ہی سے نہیں انجام دینا ہے، بلکہ اختیار اور قوت سے اس کو نافذ کرنا ہے جو بغیر اس کے ممکن نہیں کہ یہ گروہ امت کی طرف سے سیاسی اقتدار و اختیار کا حامل ہو۔ اگر تنہا دعوت و تبلیغ ہی سے یہ کام لینا مدنظر ہوتا تو اس مطلب کو ادا کرنے کے لیے يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ کے الفاظ کافی تھے وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ (الآیہ) کی ضرورت نہیں تھی۔ ہمارے نزدیک اس آیت سے اس اُمّت کے اندر خلافت کے قیام کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی حکم کی تعمیل میں مسلمانوں نے نبی ﷺ کی وفات کے بعد پہلا کام جو کیا وہ خلافت علیٰ منہاج النبوت کا قیام تھا۔"[1]

مولانا امین احسن اصلاحی اپنی ایک اور تالیف میں لکھتے ہیں:

"ریاست کا اسلامی تصور اس اصطلاح کے اندر چھپا ہوا ہے جو اسلام نے ریاست کی تعبیر کے لیے اختیار کی ہے۔ اسلامی لٹریچر پر نگاہ رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ اسلام نے اپنے اُصولوں پر قائم شدہ سیاسی تنظیم کے لیے ریاست، سلطنت یا حکومت کی اصطلاحیں نہیں اختیار کی ہیں بلکہ خلافت یا امارت یا امامت کی اصطلاحیں اختیار کی ہیں۔"[2]

غامدی صاحب اگر اس کتاب کے شروع کے صرف پندرہ صفحات ہی پڑھ لیں تو وہ ان کے لیے چشم کشا ثابت ہوں گے اور خلافت کے دینی اصطلاح ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں ان کی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔

۳ مولانا حمید الدین فراہی نے سورۂ والعصر کی تفسیر میں ایک عنوان قائم کیا ہے:

"لفظ وَتَوَاصَوا سے خلافت کا وجوب": اس سورۃ کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا نے سورۂ آل عمران کی حسب ذیل آیت کا حوالہ دیا ہے:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾

---

۱ تدبر قرآن، جلد دوم، ص ۱۵۵، ۱۵۴، فاران فاؤنڈیشن لاہور

۲ اسلامی ریاست، ص ۸، شائع کردہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور

"... تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کی ہدایت کے لیے اٹھائے گئے ہو۔ تم نیکی کا حکم دو گے، برائی سے روکو گے، اللہ پر ایمان لاؤ گے۔" (آل عمران:۱۱۰)

[مولانا لکھتے ہیں:] اس آیت سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس اُمت کے اہم فرائض میں سے ہے، چنانچہ اس کے متعلق دوسری آیات بھی وارد ہیں۔ لیکن یہ امر واضح ہے کہ اس کی اصلی ذمہ داری، جیسا کہ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ سے متبادر ہوتا ہے، اُمت کے لیڈروں پر ہے۔ البتہ تواصی ایک فرضِ عام ہے جس میں تمام مسلمان برابر کے شریک ہیں۔"

اس سے معاملے کی اصل حقیقت سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ عملِ صالح کریں، پھر ادائے حقوق کے معاملے میں ایک دوسرے کی مدد کریں، اور چونکہ ادائے حقوق بغیر خلافت و سیاست کے ناممکن ہے، اس لیے ضروری ہے کہ خلافت قائم کریں۔"[1]

یہاں تک ریاست کے اسلامی ہونے کے بارے میں غامدی صاحب کے سابقہ موقف اور خلافت کی شرعی حیثیت کے بارے میں ان کے معتبر اساتذہ کی آرا کا مختصر تذکرہ تھا، تاہم اس تفصیل کے باوجود مجھے غامدی صاحب سے ان کے نقطہ نظر میں تبدیلی کی توقع نہیں، کیونکہ غامدی صاحب کی آرا بہ کثرت تبدیل ہوتی ہیں اور بعض اوقات ایک ہی مسئلہ پر وہ بار بار اپنی رائے بدلتے ہیں، لیکن بالعموم تبدیلیٔ آرا کا اعلان نہیں کرتے۔ غامدی صاحب کا ایک اور مسئلہ یہ بھی ہے کہ وہ رائے تبدیل کرتے ہوئے علمی دیانت کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ اس سلسلے میں ممتاز محقّق اور غامدی صاحب کے سابق رفیق جناب نادر عقیل انصاری نے اپنے مضمون 'صدر ضیاء الحق، افغان جہاد اور غامدی صاحب کا بیانیہ' میں بڑی نفیس بحث کی ہے۔ یہ مضمون سہ ماہی 'جی' لاہور میں شائع ہوا ہے۔ ذیل کی سطور میں اس بحث کی تلخیص پیش کی جاتی ہے۔ انصاری صاحب لکھتے ہیں:

"جاوید غامدی صاحب نے ۲۸ر فروری ۲۰۱۴ء کو سماء ٹی وی کے پروگرام 'غامدی کے ساتھ' میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ جن لوگوں نے [سابق سوویت یونین کے خلاف] افغان جہاد کی سرپرستی کی اور قبائلی علاقوں کے لوگوں کو استعمال کیا، اُن کی مذمت کی جانی چاہیے۔ ہماری اُس وقت کی اسٹبلشمنٹ کو کوئی حق نہیں تھا کہ وہ پرائیویٹ آرمی بنائیں، مذہبی بنیاد پر لوگوں کو منظم کریں اور ان کے ذریعے جہاد

---

۱ مجموعہ تفاسیر فراہی، ص ۳۴۴، ۳۴۳، فاران فاؤنڈیشن، لاہور

فرمائیں۔ میں نے اُس زمانے میں بھی بڑی شدت کے ساتھ اس کی طرف توجہ دلائی تھی کہ ہم اپنے وجود میں بارود بھر رہے ہیں اور اپنی قبر کھود رہے ہیں۔ جنہوں نے یہ کام کیا، وہ سر تا سر مجرم ہیں۔ میں ہمیشہ یہی کہتا رہا ہوں۔

انصاری صاحب لکھتے ہیں:

غامدی صاحب کی اِس گفتگو کے بعد ان کا وہ مضمون ملاحظہ فرمایئے جو ستمبر ۱۹۸۸ء کے 'اشراق' میں صدر ضیاء الحق کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا گیا۔ غامدی صاحب اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

"یہ قوم اُن [صدر ضیاء الحق] کی ہر بات فراموش کر سکتی ہے، لیکن جہادِ افغانستان کے معاملے میں وہ جس طرح اپنے موقف پر جمے رہے اور جس پامردی اور استقامت کے ساتھ اُنہوں نے فرزندانِ لینن کے مقابلے میں حق کا علم بلند کیے رکھا، اسے اب زمانے کی گردشیں صبحِ نشور تک ہماری حافظے سے محو نہ کر سکیں گی۔"

نادر عقیل انصاری صاحب مزید لکھتے ہیں:

"آرا بدلنے کا اختیار ہر صاحبِ قلم کو ہے۔ لیکن اس میں اگر علمی دیانت داری کا لحاظ نہ رکھا جائے تو یادِ ماضی عذاب بن جاتی ہے۔ علمی دیانت کا تقاضا تھا کہ غامدی صاحب سماء ٹی وی کے پروگرام میں کہتے کہ افغان جہاد کے بارے میں اُن کی رائے بدل گئی ہے اور اب وہ اُس جہاد کو ایک جرم سمجھتے ہیں لیکن اس کے بجائے اپنی سابقہ تحریر کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اُنہوں نے کہا: "میں نے اُس وقت بھی کہا تھا کہ ہم اپنی قبر کھود رہے ہیں اور اپنے وجود میں بارود بھر رہے ہیں۔ میں ہمیشہ یہی کہتا رہا ہوں۔"[1]

اوپر ریاست کے اسلامی ہونے کے بارے میں غامدی صاحب کے ستمبر ۱۹۸۸ء اور جنوری ۲۰۱۵ء کے باہم متضاد موقف بیان ہوئے ہیں جن دونوں ارشادات میں تطبیق دینا ممکن نہیں۔ اگر غامدی صاحب ان ارشادات میں تطبیق دینے کی کوشش کرتے ہیں تو 'اشراق' (ستمبر ۱۹۸۸ء) کا حوالہ دینا ناگزیر ہے اور اگر وہ اس ناگزیر تقاضے کو پورا کرتے ہیں تو قارئین کی خاصی تعداد محولہ بالا 'اشراق' کی طرف رجوع کرے گی۔ اس طرح افغان جہاد کے بارے میں ان کے نقطۂ نظر کا تضاد سامنے آجائے گا۔ کوئی شخص یہ پسند نہیں کرتا کہ اسے متناقض آرا کا حامل سمجھا جائے۔ اس لیے مجھے صرف ایک فیصد اُمید ہے کہ موصوف ان وجوہات کو بیان کریں جن کے پیش نظر اُنہوں نے دین اور ریاست کے تعلق کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر تبدیل کیا۔

---

1 سہ ماہی 'جی' لاہور... جلد نمبر ۱۱، ۱۲/ صفحات ۱۱۶ تا ۱۲۱ اور ۱۲۷

.........☆.........☆.........☆.........

جاوید غامدی اور لاہوری قادیانی

راقم کے مضمون کی اشاعت کے بعد غامدی صاحب ایک مخمصے میں ہیں۔ وہ مخمصہ یہ ہے کہ اگر وہ یہ اعلان کرتے ہیں کہ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کی آئینی ترمیم جس کے تحت احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا، قرآن وسنت کے مطابق ہے، تو انہیں اپنے 'جوابی بیانیے' کے نکتہ نمبر ۴ سے دستبردار ہونا پڑے گا جس کے مطابق "جو لوگ اپنے مسلمان ہونے کا اقرار بلکہ اس پر اصرار کرتے ہیں، مگر کوئی ایسا عقیدہ یا عمل اختیار کر لیتے ہیں جسے کوئی عالم یا علما یا دوسرے تمام مسلمان صحیح نہیں سمجھتے، ان کے اس عقیدے یا عمل کو غلط قرار دیا جاسکتا ہے، اسے ضلالت اور گمراہی بھی کہا جاسکتا ہے، لیکن اس کے حاملین چونکہ قرآن وحدیث ہی سے استدلال کر رہے ہوتے ہیں، اس لیے اُنہیں غیر مسلم یا کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔" بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غامدی صاحب ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کی آئینی ترمیم اور اپنے بیانیے کے نکتہ نمبر ۴ سے دستبرداری پر اپنی خاموشی برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔

علامہ اقبال نے کہا تھا: ؏ "پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے۔" لیکن یہ جماعتِ احمدیہ لاہور کی خوش قسمتی ہے کہ اسے کعبے (اسلام کے علم برداروں) سے ہی پاسباں مل گئے ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ راقم کی رسائی احمدیہ انجمن، لاہور کی حال ہی میں شائع کردہ کتاب 'اختلافِ سلسلۂ احمدیہ' (اشاعت دوم) تک ہوئی ہے۔ اس کے مؤلف عامر عزیز الازہری بن عبدالعزیز ہیں۔ ٹائٹل پر 'اختلافِ سلسلۂ احمدیہ' کے نیچے 'تقابلی جائزہ جماعتِ احمدیہ لاہور و جماعت احمدیہ ربوہ' لکھا ہے۔ اس کتاب کا خلاصہ یہ ہے کہ جماعتِ احمدیہ ربوہ کے برعکس، جماعتِ احمدیہ لاہور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی تعلیمات کی حقیقی علم بردار ہے۔ کتاب کے مؤلف عامر عزیز الازہری لکھتے ہیں:

> "موجودہ دور میں پاکستان میں محترم و مکرم جاوید احمد غامدی صاحب وہ نابغۂ روزگار ہستی ہیں، جو کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان کی خدمتِ دین اور اسلام کے لیے شب و روز سعی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ اس سلسلے میں ان کی گواہی کہ حضرت مرزا [غلام احمد قادیانی] صاحب نے دعویٰ نبوت نہیں کیا، اس دور کی سب سے بڑی سچائی اور جرأت مندانہ حق گوئی ہے۔" (ص ۸۳)

عامر عزیز الازہری مزید لکھتے ہے کہ محترم و مکرم جاوید احمد غامدی صاحب کی گواہی کہ حضرت مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت نہیں کیا، اُن [غامدی صاحب] کے ایک لیکچر میں دی گئی ہے جس کا موضوع 'ختم نبوت'

ہے۔ یہ لیکچر یوٹیوب پر بھی موجود ہے۔ غامدی صاحب [اس لیکچر میں] فرماتے ہیں:

"یہ جو مقام یا مرتبہ بیان کیا ہے، بالکل یہی ہے، مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے۔ وہ بنیادی طور پر صوفی تھے۔ تصوف سے ان کا اشتغال تھا۔ اس طرح کے اوراد، وظائف، چلّے یہی چیزیں ان کے ہاں تھیں۔ انہی چیزوں کو وہ بیان بھی کرتے ہیں۔ اپنی کتابوں میں لکھتے بھی ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ میری نبوت سے مراد تشریعی نبوت نہیں، میں اصطلاحی نبی نہیں ہوں، بروزی نبی ہوں۔ نبوت کا ایک سایہ پڑرہا ہے۔ نبوت کا ایک پرتو میرے اندر آرہا ہے۔ پھر کچھ دبی دبی باتیں ہوئیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ نبی بنا دیئے گئے۔ لیکن میں آپ سے عرض کروں کہ خود مرزا غلام احمد صاحب کی تحریریں جتنی بھی ہیں، ان میں بالصراحت نبوت کے دعویٰ کی کوئی تحریر نہیں۔ یعنی اسی طرح کی باتیں ہیں [یعنی صوفیانہ اصطلاحات کا استعمال ہے، ناقل]۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دنیا سے رخصت ہوجانے کے بعد ان کی جماعت کے دو گروہ ہوگئے: ان کے قدیم ترین صحابہ ان کی اصطلاح کے مطابق، اُنہوں نے تو کہا کہ ایسا نہیں تھا بلکہ وہ مجدد تھے۔ یہ جو لاہوری جماعت ہے، یہ اسی تعبیر پر وجود میں آئی اور مرزا بشیر الدین محمود صاحب جو اُن کے فرزند تھے، اُنہوں نے اصل میں اس کو زیادہ صریح کیا۔ اور یہ کہا کہ نہیں، یہ باقاعدہ یعنی ورنہ معاملہ ٹھیک ہوجاتا، اتنا ہی رہ جاتا جتنا صوفیوں کا ہے۔

انہوں [مرزا بشیر الدین محمود، ناقل] نے اس کو اس کی منتہائے کمال تک پہنچادیا جہاں پر توضیح کی ضرورت نہ رہی۔ حکیم نور الدین صاحب کے زمانے میں بھی صورتحال یہ نہیں تھی، اسی طرح تھی [یعنی حضرت مرزا صاحب کو نبی مجدد ہی سمجھا جاتا تھا، ناقل]۔ زیادہ سے زیادہ جو بات وہ کرتے تھے جو ابن عربی نے کہی ہے۔ یعنی دیانتداری کے ساتھ آپ الزام لگانے کے لیے نہ کہیں۔ یہاں ایسے لوگ موجود ہیں۔ یعنی ابھی تک حسرت ہے کہ وہ واضح عبارت کون سی ہے [یعنی حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کی، ناقل] آپ دیکھیں اس میں الیاس برنی کی کتاب 'قادیانی مذہب' سب سے اعلیٰ کتاب ہے۔ پوری پڑھ جائیے۔ پھر اس کے بعد ہمارے اپنے زمانے میں مولانا ابو الحسن علی ندوی جیسے جلیل القدر عالم نے 'قادیانیت' کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ اس میں بھی آپ پوری کی پوری پڑھ جائیے [احمدیت کے خلاف ان دو مستند کتابوں میں بھی کوئی تحریر یا کوئی حوالہ ایسا نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ حضرت مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت کیا، ناقل]۔ یعنی وہ [پہلے صوفیا کی تحریرات، ناقل] انہیں اس سے زیادہ تاویل کو قبول کرلیتی ہیں جیسی میں نے بیان کی ہیں۔ اس طرح کا واضح معاملہ نہیں ہے جیسے کہ سمجھا جاتا ہے۔ وہ زیادہ تر بشیر الدین

محمود صاحب کی ہیں۔"(ص ۸۴تا۸۶)

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مندرجہ بالا عبارت کی بے ربطیاں جوں کی توں کتاب ہی سے نقل کی گئی ہیں۔ بہر حال عبارت کے ناقل (جو غالباً عامر عزیز الازہری ہیں) نے قوسین [ ] کے درمیان اپنی طرف سے الفاظ بڑھا کر جملوں کو مکمل اور بامعنی بنانے کی کوشش کی ہے۔ جنابِ جاوید غامدی کا یہ لیکچر جماعتِ احمدیہ لاہور کے اس بنیادی موقف کی مکمل تائید کرتا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا اور یہ مرزا بشیر الدین محمود تھے جنہوں نے غلو کرتے ہوئے مرزا صاحب کو نبی قرار دیا۔ اس لیکچر سے درج ذیل تین نکات اَخذ ہوتے ہیں:

① مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی تحریروں میں بالصراحت نبوت کے دعوی کی کوئی تحریر نہیں ہے۔ یہاں تک کہ پروفیسر الیاس برنی کی کتاب 'قادیانی مذہب' اور مولانا ابوالحسن علی ندوی کی کتاب 'قادیانیت' بھی مرزا صاحب کی کوئی ایسی تحریر نہیں ہے جس میں اُنہوں نے بالصراحت نبوت کا دعویٰ کیا ہو۔

② مرزا غلام احمد قادیانی کے پہلے خلیفہ حکیم نورالدین، مرزا صاحب کو اصطلاحی نبی نہیں سمجھتے تھے۔

③ احمدیوں کا لاہوری فریق (مولوی محمد علی لاہوری گروپ) شروع سے مرزا صاحب کو مجدد سمجھتا رہا ہے۔

ہمارے قارئین اس حقیقت سے واقف ہوں گے کہ جماعتِ احمدیہ لاہور کا موقف بھی وہی ہے جو مندرجہ بالا تین نکات میں بیان کیا گیا ہے۔ راقم اپنے مضمون 'غامدی صاحب کا جوابی بیانیہ؛ دستورِ پاکستان اور قادیانیت' میں حوالوں کے ساتھ ان تینوں نکات کی تردید کر چکا ہے۔ اس نے مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کی ایسی چار تحریریں پیش کی ہیں جن میں اُنہوں نے بالصراحت نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ بھی عرض کیا گیا کہ مرزا صاحب کی ایسی بیسیوں تحریریں موجود ہیں۔ یہ بھی واضح کیا گیا کہ مرزا صاحب خود کو صرف لغوی معنی میں نبی نہیں کہتے بلکہ ان کا دعویٰ ہے کہ اُنہیں خدا نے نبی بنایا اور ان کا منکر مسلمان نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ہم نے ان کے مجموعۂ الہامات 'تذکرہ' اور ان کی کتاب 'حقیقت الوحی' کے اقتباسات پیش کیے۔ راقم نے غامدی صاحب کی توجہ اس جانب مبذول کرائی کہ جماعتِ احمدیہ لاہور کے بانی امیر مولوی محمد علی لاہوری نے 'ریویو آف ریلیجنز' (قادیان) کی ادارت کے دور میں اپنے بیسیوں ایسے مضامین اس پرچے میں شائع کیے جن میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے لیے نبی اور رسول کا لفظ استعمال کیا اور اشارۃً بھی نہیں لکھا کہ وہ ان الفاظ کو استعارے کے طور پر یا مجازی مفہوم میں استعمال کر رہے ہیں۔ آج ہفت روزہ 'پیغام صلح' لاہور مرزا صاحب کی مجددیت کا علم بردار بنا ہوا ہے لیکن اسی پرچے میں ۱۶/ اکتوبر ۱۹۱۳ء کی اشاعت میں لکھا گیا:

"معلوم ہوا ہے کہ بعض احباب کو کسی نے غلط فہمی میں ڈال دیا ہے کہ اخبار ہذا [ہفت روزہ 'پیغام صلح' لاہور] کے ساتھ تعلق رکھنے والے احباب یا ان میں سے کوئی ایک سیدنا و ھادینا حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلاۃ والسلام کے مدارجِ عالیہ کو اصلیت سے کم یا استخفاف کی نظر سے دیکھتا ہے۔ ہم تمام احمدی جن کا کسی نہ کسی صورت سے اخبار 'پیغام صلح' سے تعلق ہے، خدا تعالیٰ کو جو دلوں کا بھید جاننے والا ہے، حاضر و ناظر جان کر کہتے ہیں کہ ہماری نسبت اس قسم کی غلط فہمی پھیلانا محض بہتان ہے۔ ہم حضرت مسیح موعود و مہدی معہود کو اِس زمانے کا نبی، رسول اور نجات دہندہ مانتے ہیں۔" (ص ۲)

اسی طرح راقم غامدی صاحب کے اس نقطۂ نظر کی حوالوں کے ساتھ تردید کی کہ مرزا غلام احمد صاحب کے پہلے جانشین حکیم نورالدین صاحب مرزا صاحب کو مامور من اللہ نبی نہیں مانتے تھے۔

اب ہم غامدی صاحب کے 'جوابی بیانیے' کے نکتہ نمبر ۴ کی طرف پھر رجوع کرتے ہیں۔ موصوف اپنے 'جوابی بیانیے' میں لکھتے ہیں:

"دنیا میں جو لوگ مسلمان ہیں، اپنے مسلمان ہونے کا اقرار بلکہ اس پر اصرار کرتے ہیں، مگر کوئی ایسا عقیدہ یا عمل اختیار کر لیتے ہیں جسے کوئی عالم یا علما یا دوسرے تمام مسلمان صحیح نہیں سمجھتے، ان کے اس عقیدے یا عمل کو غلط قرار دیا جاسکتا ہے، اسے ضلالت اور گمراہی بھی کہا جاسکتا ہے، لیکن چونکہ اس کے حاملین قرآن و حدیث ہی سے استدلال کر رہے ہوتے ہیں، اس لیے انہیں غیر مسلم یا کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔"

راقم کا خیال ہے کہ غامدی صاحب اپنے استاذ امام امین احسن اصلاحی کے بارے اس سوئے ظن کا شکار نہیں ہوں گے کہ وہ اسلام اور کفر کی حدود سے ناواقف تھے۔ استاذ امام نے اپنی متعدد تحریروں میں قادیانیوں کی تکفیر کی ہے۔ غامدی صاحب نے اُن سے کیوں نہیں پوچھ لیا کہ قادیانی اپنے مسلمان ہونے کا اقرار بلکہ اس پر اصرار کرتے ہیں اور قرآن و حدیث ہی سے استدلال کرتے ہیں، اُنہیں کیوں کر کافر قرار دیا جاسکتا ہے؟ وہ فیس بک پر ایک مضمون میں اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تکفیر کے لیے اتمام حجت ضروری ہے اور یہ صرف خدا ہی جانتا اور وہی بتا سکتا ہے کہ کسی شخص یا گروہ پر فی الواقع اتمام حجت ہو گیا ہے اور وہ اب ہم اس کو کافر کہہ سکتے ہیں۔ لہٰذا رسول ﷺ کے دنیا سے

رخصت ہو جانے کے بعد اب یہ حق کسی فرد یا گروہ کو حاصل نہیں رہا کہ وہ کسی کو کافر قرار دے۔"[1]

یہاں پھر غامدی صاحب سے سوال ہے کہ انہوں نے مولانا اصلاحی سے یہ کیوں نہیں پوچھ لیا کہ آپ کو کس ذریعے سے معلوم ہوا کہ قادیانیوں پر اتمام حجت ہو گیا ہے اور ان کی تکفیر کی جاسکتی ہے؟

اس مضمون کے شروع میں عرض کیا گیا تھا کہ غامدی صاحب کی طرح جماعتِ احمدیہ لاہور کو بھی اپنے عقائد کے سبب ایک ایسے ہی مخمصے کا سامنا ہے۔ دراصل مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی کتابیں مداری کا پٹارہ ہیں۔ ان میں سے ہر چیز نکالی جاسکتی ہے۔ ان میں نزولِ مسیح کا اقرار بھی ہے اور انکار بھی۔ آں حضرت ﷺ کو آخری نبی بھی کہا گیا ہے اور مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت بھی ہے۔ اِس وقت راقم کے سامنے احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کی شائع کردہ کتاب 'مجاہدِ کبیر'[2] ہے جو بانی جماعتِ احمدیہ لاہور، مولوی علی لاہوری صاحب کی سوانح عمری ہے۔ اس کتاب کے آخری صفحے پر جماعتِ احمدیہ لاہور کے عقائد درج کیے گئے ہیں۔ عقیدہ نمبر ۲ کے تحت کہا گیا ہے:

"ہم آں حضرت ﷺ کو خاتم النّبیین مانتے ہیں۔ بالفاظِ بانی سلسلہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب "جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو، اسے بے دین اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ ﷺ پر ختم ہو گئی۔"

اور عقیدہ نمبر ٦ کے تحت کہا گیا ہے:

"ہم ہر اس شخص کو جو لا الہ الا اللہ محمد رسول کا اقرار کرتا ہے مسلمان کہتے ہیں۔"

اسی طرح انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کے شائع کردہ کتابچے 'شہادتِ حقہ' کے بیک ٹائٹل پر جماعتِ احمدیہ لاہور کی امتیازی خصوصیات کے زیر عنوان لکھا گیا ہے کہ جماعتِ احمدیہ لاہور ہر کلمہ گو کو مسلمان سمجھتی ہے۔

یہاں جماعتِ احمدیہ لاہور سے مسلمان کی تعریف کرنے میں وہی غلطی ہوئی جو غامدی صاحب سے مسئلہ تکفیر پر غلط موقف اختیار کرنے کے نتیجے میں ہوئی اور اسے مخمصے کا سامنا ہے۔ بہر حال اس مخمصے کے حوالے سے یہ الگ بات ہے کہ اس نے ۱۹۱۴ء سے شتر مرغ کے ریت میں سر چھپانے کی پالیسی اختیار کر رکھی ہے۔ اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کی جاسکتی یا ہر کلمہ گو مسلمان ہے، بلاشبہ کلمۂ حق ہے لیکن ایک خاص تناظر میں اس

---

۱ httpp://daleel-pk/2016/09/06/6971

۲ مؤلفہ: ممتاز احمد فاروق اور محمد احمد

سے مراد باطل ہے۔ اس موضوع پر برصغیر کے ممتاز حنفی عالم مولانا محمد عبد العزیز پرہاروی کی کتاب النبراس علیٰ شرح العقائد سے اہل سنت کا موقف پیش کیا جاتا ہے:

"ہم اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے۔ اہلِ قبلہ سے لغوی اعتبار سے وہ شخص مراد ہے جو کعبے کی طرف منہ کرکے نماز پڑھے یا اسے قبلہ مانے لیکن متکلمین کی اصطلاح میں اس سے مراد وہ شخص ہے جو ضروریاتِ دین کی تصدیق کرے، یعنی ان اُمور کی جن کا ثبوت شرع سے معلوم و مشہور ہے۔ لیکن جس شخص نے ضروریاتِ دین میں سے کسی شے کا انکار کیا، مثلاً حدوثِ عالم کا، یا حشر اجساد کا یا اللہ تعالیٰ کے علم بالجزئیات کا، یا فرضیتِ صلوٰۃ و صوم کا، تو وہ اہلِ قبلہ میں سے نہیں، خواہ وہ طاعات میں مجاہدہ کرتا ہو۔ اسی طرح جس شخص نے ایسا کام کیا جو دین کی تکذیب کی علامات میں سے ہے جیسے بتوں کو سجدہ کیا یا کسی شرعی امر کی توہین و استہزا کا مرتکب ہوا، تو وہ اہلِ قبلہ میں سے نہیں۔ اہلِ قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان فقط اس وجہ سے کافر قرار نہیں دیا جائے گا کہ اس نے گناہ کیا ہے۔"

اہل سنت کے نزدیک ضروریاتِ دین کا انکار کرنے والے کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں ہے، خواہ وہ تمام عمر اہلِ قبلہ میں سے رہا ہو اور راقم کو یقین ہے کہ غامدی صاحب ضروریاتِ دین سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اب ہم مسلمان کی تعریف کے سلسلے میں جماعت احمدیہ لاہور کے موقف کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس جماعت کا موقف اس کی شائع کردہ کتاب 'مجاہد کبیر' اور کتابچے 'شہادت حقہ' کے حوالے سے پیش کیا جاچکا ہے کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے۔ بات اتنی سادہ نہیں ہے کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے، بلکہ جماعتِ احمدیہ لاہور اُس جماعت کو بھی مسلمان قرار دیتی ہے جس کا عقیدہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی حقیقی نبی تھے اور اُن کی نبوت کا منکر دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ راقم کی مراد جماعت احمدیہ قادیان (اب ربوہ) سے ہے۔ جماعت احمدیہ قادیان (اب ربوہ) کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود (م ۱۹۶۵ء) نے یہ بھی لکھا کہ نبی کریم ﷺ کے بعد نبوت جاری ہے اور ایک نبی تو کیا ہزاروں نبی آئیں گے۔ حوالے کے لیے اُن کی درج ذیل تحریریں ملاحظہ ہوں:

"یہ بات بالکل روزِ روشن کی طرح ثابت ہے کہ آں حضرت ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ کھلا ہے۔"[1]

"اُنہوں (یعنی مسلمانوں) نے یہ سمجھ لیا ہے کہ خدا کے خزانے ختم ہو گئے۔ ان کا یہ سمجھنا خدا تعالیٰ کی

1 حقیقۃ النبوۃ، ص ۲۲۸

قدر کو ہی نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے، ورنہ ایک نبی کیا میں تو کہتا ہوں، ہزاروں نبی ہوں گے۔"[1]

"اگر میری گردن کے دونوں طرف تلوار بھی رکھ دی جائے اور مجھے کہا جائے کہ تم یہ کہو کہ آں حضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو میں اُسے ضرور کہوں گا کہ تو جھوٹا ہے، کذاب ہے، آپ کے بعد نبی آسکتے ہیں اور ضرور آسکتے ہیں۔"[2]

حیرت ہے کہ جماعت احمدیہ لاہور کے مسیح موعود و بانی سلسلۂ احمدیہ مرزا غلام احمد قادیانی تو جماعتِ احمدیہ لاہور کی شائع کردہ کتابوں کے مطابق ختم نبوت کے منکر کو بے دین اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھیں اور جماعتِ احمدیہ لاہور اُسے مسلمان قرار دے۔ در حقیقت یہ مسلمان کی غلط تعریف کا شاخسانہ ہے جس میں جماعتِ احمدیہ لاہور ایک صدی سے مبتلا ہے۔ جماعتِ احمدیہ لاہور کے نزدیک جماعت احمدیہ ربوہ کا status کیا ہے؟ اس کی وضاحت جماعت کے ترجمان، ہفت روزہ 'پیغام صلح' لاہور کے ایک اداریے کے اس اقتباس سے ہوتی ہے۔ یہ اقتباس ماہ نامہ 'طلوع اسلام' لاہور کے حوالے سے نقل کیا جاتا ہے۔ بطور تمہید طلوع اسلام لکھتا ہے: "گزشتہ سال جب یہ سوال اُٹھا کہ احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے تو لاہوری جماعت کے ترجمان 'پیغام صلح' نے لکھا:

"ان حالات میں اول تو کسی جماعت کو غیر مسلم اقلیت قرار دینا صحیح نہیں اور اگر اس شوق کو پورا ہی کرنا ہے تو کم از کم احمدیوں کے اس گروہ کو اس سے مستثنیٰ کرنا ضروری ہے جو حضرت خاتم النبیین ﷺ کے بعد کسی بھی نبی کے آنے کے قائل نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہم قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے حق میں ہیں۔ ہمارے نزدیک قادیانی ہو یا غیر قادیانی ہر کلمہ گو مسلمان ہے۔ اس کو غیر مسلم قرار دینا کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔"[3]

جماعتِ احمدیہ لاہور کا جماعتِ احمدیہ ربوہ کے بارے یہ موقف اُس کے اِس عقیدے کا منطقی نتیجہ ہے کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے۔ اگر وہ جماعت احمدیہ ربوہ کی تکفیر کرتی ہے تو اسے اپنے اس عقیدے سے دستبردار ہونا پڑے گا، اس نے یہ عقیدہ ایک صدی سے اختیار کر رکھا ہے۔ بہر حال راقم کی دعا ہے کہ سو سال بعد ہی سہی، جماعت احمدیہ لاہور اس مخمصے سے نکل آئے۔

---

۱ انوارِ خلافت، ص ۶۲

۲ انوارِ خلافت، ص ۶۵

۳ پیغام صلح: شمارہ ۳۰ ؍ مئی ۱۹۷۳ء... بحوالہ ماہ نامہ طلوع اسلام لاہور، جولائی ۱۹۷۴ء، ص ۱۵

نقطۂ نظر

عالم کفر کی عالم اسلام سے کشاکش کے چند فکر انگیز پہلو

محمد نعمان فاروقی

جب ہم عالمی سطح پر کفار کی پالیسیوں، اقدامات اور مسلمانوں کی صورتحال کا جائزہ لیتے ہیں تو کچھ نتائج نکھر کر ہمارے سامنے آتے ہیں، جو یہ ہیں:

① دنیا کے کسی بھی خطے میں شورشوں، اندرونی خلفشاروں اور دہشت گردیوں کا تسلسل ہے تو وہ بلادِ اسلامیہ ہی ہیں۔ بلادِ غیر میں آپ کو ایسا کوئی تسلسل نظر نہیں آئے گا۔ ایک آدھ واقعہ ہو جانا اور بات ہے۔

② عالمی سطح پر کوئی بھی قانون بنے یا کوئی بھی اتحاد وجود میں آئے تو اس سے فائدہ ہمیشہ کفار کو ملتا ہے اور نقصان ہمیشہ مسلمانوں کا ہوتا ہے۔

③ مسلمان ہوں یا محض اسلام کے دعویدار لیکن مسلمان ہی ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہیں۔

④ عالم کفر کے سرغنے ضرورت پڑنے پر سب کچھ کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں اور ضرورت پوری ہونے پر آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔

⑤ بلادِ اسلامیہ عالم کفر کی مختلف پالیسیوں کی وجہ سے مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں، اس کے باوجود اگر سماجی طاقتیں کسی نئے اسلامی ملک کو 'اُلّو' بنانا چاہتے ہیں تو وہ ملک فوراً تیار ہو جاتا ہے، حالانکہ عالمی سماجی طاقتیں ایک خیر خواہ کے روپ ہی میں کسی ملک میں داخل ہوتی ہیں۔ مگر نشانہ بننے والا ہر اسلامی ملک اپنے ہی تجربات کرنا چاہتا ہے۔

⑥ عالم کفر کی بلاد اسلامیہ میں پالیسیاں مختلف ہیں مگر ہدف ایک ہے، طریقہ ہائے واردات مختلف ہیں جبکہ مقصد ایک ہے۔

⑦ مسلمانوں کا باہمی اتحاد اپنے اپنے مفادات کے دائرے تک محدود نظر آتا ہے اور محض ایک علامتی اتحاد ہوتا ہے جو عموماً وقت کے ساتھ ساتھ کالعدم ہوتا دکھائی دیتا ہے۔

⑧ عالم کفر ہمیشہ بلاد اسلامیہ کو ہر میدان میں کمزور کرنے کی کوشش میں رہتا ہے۔ خواہ وہ معاشی میدان ہو، سیاسی میدان ہو، تعلیمی میدان ہو یا تہذیبی میدان۔

⑨ عالم کفر بلادِ اسلامیہ کے وسائل کو اپنے حق میں استعمال بھی کرتا ہے اور بلادِ اسلامیہ کے ذاتی وسائل کو خود ان کے حق میں صحیح معنوں میں استعمال بھی نہیں ہونے دیتا۔

⑩ عالم کفر کے پاس عالم اسلام کو باہمی طور پر محاذ آرا کرنے کا سب سے اہم قضیہ شیعہ / سنی قضیہ ہے، اگرچہ اس کے علاوہ بھی خود کاشتہ پودے موجود ہیں جن کی وہ کاشت کے دن سے مسلسل آبیاری کر رہا ہے۔ وہ جب چاہتا ہے، ان سے خوب فائدہ اٹھاتا ہے۔

⑪ عالم کفر کا مغرب اور مشرق کے مابین عدل سے ہٹ کر ہمیشہ دوہرا معیار رہا ہے۔

⑫ عالم کفر اگر کسی اسلامی ملک کا تعاون کرتا ہے تو کسی بھی صورت میں اس کی قیمت ضرور وصول کرتا ہے۔

ان مذکورہ ۱۲ر نتائج کو سامنے رکھ کر ہی زیر نظر تحریر کو سمجھا جاسکتا ہے۔ہاں ان نتائج کا تجزیہ کسی بھی سطح پر کیا جاسکتا ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ کسی تناسب سے ان میں کوئی کمی بیشی ہو مگر انھیں سرے سے تسلیم نہ کرنا مسلمہ حقائق کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔

اب ہم مذکورہ ترتیب کے مطابق تحقیقی لیبارٹری کے ذریعے ان حقائق کا 'ٹیسٹ' لیتے ہیں۔

① پہلی حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے کسی بھی خطے میں جہاں کہیں بھی شورشوں کا تسلسل ہے تو وہ بلادِ اسلامیہ ہی ہیں۔ اگر وہ علاقے مسلمانوں کے نہیں تو کم از کم وہاں کے مسلمان باسی نشانہ ضرور ہیں۔ جیسا کہ مقبوضہ کشمیر، مقبوضہ فلسطین، برما اور چین کے مختلف علاقوں میں مسلمانوں کی حالتِ زار ہے اور بھارت میں مسلمانوں پر مظالم ہیں۔ ان میں سے کئی تو نئے محاذ کھولے گئے ہیں مگر زیادہ تر محاذ عرصۂ دراز سے سرگرم ہیں اور انھیں عالم کفر کسی بھی صورت حل کرنا نہیں چاہتا بلکہ انھیں طول دینے ہی میں عالم کفر کا فائدہ ہے۔ بلادِ اسلامیہ میں شورشوں کا تسلسل بتا رہا ہے کہ ان کا ذمہ دار عالم کفر ہے۔ جیسا کہ مسئلہ کشمیر ہو یا مسئلہ فلسطین، دنیا کے ان دو سب سے بڑے جھگڑوں کو برطانیہ نے جان بوجھ کر غلط تقسیم کر کے اُلجھایا اور مسلمانوں کو مشکلات کی بھٹی میں جھونک دیا۔ 'لڑاؤ اور حکومت کرو' عالم کفر کی پالیسی کا حصہ ہے۔

② دوسری حقیقت کو دیکھیں تو اس کی حالیہ دلیل یہ ہے کہ کل بھوشن یادو بھارت کا خطرناک حاضر سروس اہلکار ہے اور وہ پاکستان کے خلاف مختلف خطرناک ترین سرگرمیوں میں ملوث ہونے کا اقراری مجرم ہے مگر عالمی عدالت میں اس کی سزا کو کالعدم قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ عالم کفر کے مطلوب افراد دنیا کے کسی خطے میں ہوں تو انھیں ماورائے عدالت بھی قتل کر دیا جاتا ہے۔ بھارت آبی جارحیت کر رہا ہے، بھارت اسلحے کا ڈھیر بن رہا ہے مگر اس کا ایکشن نہیں لیا جا رہا۔

اقوام متحدہ کبھی بھی مسلمانوں کے کام نہیں آئی اور کفار کے فائدے سے کبھی چُوکی نہیں۔ یہ اقوامِ متحدہ ہی کی پابندیاں ہیں جس کی وجہ سے پاکستان کے انتہائی دشمن سیاسی گروہ سیاسی پناہ گزینوں کی حیثیت سے مکمل تحفظ میں ہیں، حالانکہ پاکستان کو انتہائی مطلوب ہیں۔ جبکہ پاکستان کے ہمدرد پابندِ سلاسل ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عمل درآمد نہ ہونے کی وجہ سے کئی دہائیوں سے چلا آرہا ہے۔

③ تیسری حقیقت کا ثبوت یہ ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں بھی اندرونی خلفشار ہے تو زیادہ تر ایک دوسرے کے مدمقابل مسلمان ہی ہیں۔ سعودی عرب کو دیکھ لیں، اس کے موجودہ دشمن اسرائیل یا امریکہ نہیں بلکہ ایران، داعش یا القاعدہ ہیں۔ جیسا کہ داعش، القاعدہ اور ایران کا ہدف امریکہ، بھارت اور اسرائیل نہیں بلکہ پاکستان، سعودیہ اور دیگر اسلامی ممالک ہیں۔ ہمارا ملک جو بری طرح دہشت گردی کا نشانہ رہا ہے، کیا یہ بات درست نہیں کہ مارنے والے بھی کلمہ گو اور مرنے والے بھی کلمہ گو تھے۔ آخر ان دہشت گردوں اور فسادیوں کا ہدف بلادِ اسلامیہ ہی کیوں ہیں؟ یہ صورتحال بتاتی ہے کہ کہیں تو حکمت عملی کی غلطی ہے یا غلط معلومات اور سازشوں کے ذریعے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار کر دیا جاتا ہے۔ کیا آپ یہ نہیں جانتے کہ طالبان کے خلاف امریکہ چڑھ دوڑا تھا مگر قطر میں طالبان کا دفتر کھولنے کا حمایت کنندہ بھی وہی تھا اور پاکستان کے سیکولر اور امریکہ نواز طبقے سے پاکستان میں بھی طالبان کا دفتر کھولنے کی حمایت کروائی گئی تھی۔

یہ بھی تلخ حقیقت ہے کہ عالم کفر نام تو القاعدہ اور داعش کو کچلنے کا لیتا ہے مگر ہمیشہ نہتے مسلمان حتیٰ کہ سکول، مدارس، ہسپتال اور عام آبادیاں ہی نشانہ بنتی ہیں۔

دونوں طرف سے مسلمان برسرپیکار ہوں تو عالم کفر کو کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ایک تو مسلمان ایک دوسرے کے خلاف استعمال ہو کر باہمی دشمنی پروان چڑھاتے ہیں اور یہ دشمنی سالہاسال پر محیط ہوتی ہے۔ وہ دبی رہے تو ایک چنگاری ہوتی ہے جو ذرا سی گرمائش سے شعلہ بن کر بھڑک اٹھتی ہے۔

دوسرے یہ کہ مسلمان ممالک باہمی تصادم کے اصل مجرموں ہی کو اپنا نجات دہندہ سمجھ کر ان کو پروٹوکول بھی دیتے ہیں اور فیصل بھی سمجھتے ہیں۔ جیسے حال ہی میں سعودی عرب نے ٹرمپ کو دعوت دے کر، اسے از حد عزت دے کر بہت سے سنگین سوالات پیدا کر دیے ہیں۔ کیا یہ اُن سے عزت کو متلاشی ہیں؟ کیا یہ اعزازی شیلڈیں اور تمغے مسلم حکمرانوں سے اُٹھائے نہیں جاتے یا ان کی گردنوں میں پورے نہیں آتے۔ پہلے مودی سرکار کو شیلڈیں اور اب ٹرمپ کو یہ اعزازات آخر کیوں؟ دراصل عالم کفر خود ہی میڈیا اور کارروائیوں کے ذریعے دشمن کا تعین کرتا ہے، پھر اس سے نجات دلانے کی پیشکش ہوتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے تو یہ معیار قائم کیا تھا کہ غیر مسلم بھی اپنے تنازع اور فیصلے آپ کی عدالت میں لاتے تھے۔ مگر اب اسی سرزمین پر محض اپنے نامزد کردہ دشمن پر دھاک بٹھانے کے لیے اور کچھ لفظ اُگلوانے کے لیے عالم کفر کی ایسی چاکری!!... شاید روشن اسلامی تاریخ میں اس کی مثال نہ مل پائے۔

یہاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا وہ تاریخی جملہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ جب وہ شام جا رہے تھے، سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ کیچڑ والی زمین آئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اونٹنی سے اترے، اپنے جوتے اُتارے، اپنے کندھے پر رکھے اور اونٹنی کی مہار پکڑ کر اس کیچڑ والی زمین سے گزرنے لگے۔ سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں: امیر المؤمنین! آپ نے یہ کیا صورت اختیار کر رکھی ہے کہ جوتے آپ کے کندھوں پر، اونٹنی کی

مہار تھامے ہوئے اور کیچڑ سے گزرتے ہوئے!! مجھے تو نہیں لگتا کہ یہاں کے باسی آپ کو عزت و وقار دیں گے۔
سیدنا عمر رضی اللہ عنہ چونک کر بولے: اوہو! کسی اور نے یہ بات کہی ہوتی تو میں اسے اُمتِ محمدیہ ﷺ کے لیے نشان عبرت بناتا: «إِنَّا كُنَّا أَذَلَّ قَوْمٍ فَأَعَزَّنَا اللهُ بِالإِسْلَامِ فَمَهْمَا نَطْلُبُ الْعِزَّ بِغَيْرِ مَا أَعَزَّنَا اللهُ أَذَلَّنَا اللهُ» ''بے شک ہم بے توقیر لوگ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے اسلام کے باعث ہمیں عزت سے سرفراز کیا۔ تو جب بھی ہم اس ذریعے کو چھوڑ کر جس سے اللہ نے ہمیں عزت دی کسی اور راستے سے عزت چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں رسوا کر دے گا۔'' (المستدرك للحاكم: كتاب الإيمان، رقم ۲۰۷)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جو عزت پائی، عالم اسلام آج بھی بجا طور پر نازاں ہے لیکن اُنھوں نے اغیار کو تمغے بانٹ کر نہیں، اسلام سے وابستہ رہ کر عزت اور وقار حاصل کیا تھا۔

عالم کفر کو مسلمانوں کے باہمی تصادم سے ایک بڑا فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی توجہ اپنے حقیقی دشمن کے بجائے اپنے عارضی کھڑے کیے ہوئے دشمن کی طرف ہو جاتی ہے اور اگر وہ دشمن نہ بھی ہو تو انھیں دشمن بنا لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ دشمن نے پاکستان پر وار کیا اور پاکستان سے محبت کرنے والے، پاکستان کے محافظ سرحدی لوگوں پر ایسی آتش و آہن برسائی گئی کہ وہ خود سے پاکستان کے اندرونی دشمن بن گئے، ان میں سے کئی ایک باقاعدہ طور پر دشمن کا آلہ کار بن گئے جیسا کہ کچھ ماہ قبل ہتھیار پھینکنے والے حزب الاحرار کے کمانڈر نے چشم کشا اعترافات کیے تھے۔

مسلمانوں کی باہمی مسلح کشاکش کا عالم کفر کو ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ دونوں طرف سے تعلق رکھنے والے ممالک اسلحہ کافروں سے خریدتے ہیں اور یہ کوئی معمولی نوعیت کے معاہدے نہیں۔ ٹرمپ کے آخری دورے میں امریکہ اور سعودی عرب کی ڈیل کا تخمینہ بقول ٹرمپ ۳۵۰ بلین ڈالرز سے زیادہ ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ اسلحہ کافر دشمن کے خلاف استعمال ہو گا۔ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے مگر اس معاہدے کے اگلے ہی روز دشمن کا تعین بھی کر دیا گیا۔ ہمیں یہ اعتراف ہے کہ ایران سے کبھی عالم اسلام کو خیر نہیں پہنچی، الٹا نقصان ہی پہنچا ہے مگر اس کے لیے عالم کفر کو سر پر چڑھانے کی کیا ضرورت ہے؟

قرآن مجید نے مسلمان گروہوں کے مابین صلح کا جو ضابطہ مقرر فرمایا ہے کیا وہ کافی نہیں؟ حرم میں زائرین کی خدمت کا اہتمام بہت قابل قدر ہے مگر قرآن مجید کے اُصولوں کو تھامنا اس سے بھی زیادہ ضروری اور اہم ہے۔ اور اس موقع پر صلح کا ضابطہ یہ ہے:

﴿ وَ اِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ ﴾ (الحجرات:۹)

''اگر مؤمنوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان دونوں کے درمیان صلح کراؤ تو اگر ان دونوں

میں سے ایک دوسری جماعت پر بغاوت اور سرکشی کرے تو تم اس کے خلاف برسرپیکار ہو جاؤ جو سرکشی کر رہی ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ تو اگر وہ لوٹ آئے تو دونوں جماعتوں کے درمیان عدل سے صلح کراؤ۔ بے شک اللہ عدل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔"

یہ آیت بتاتی ہے کہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں لڑائی ہو جائے تو کفار کی مدد لینے کی بجائے تیسرے مسلمان گروہ کو ان کے مابین صلح کروانی چاہیے۔ اور تیسرے گروہ کو شریعت کے مطابق عدل پر کاربند رہتے ہوئے باغی گروہ کو اللہ کے حکم پر لانے کی جدوجہد کرنی چاہیے۔ یہ آیت باغی اور سرکش گروہوں سے صلح کا حکم دے رہی ہے۔ اس نوعیت کی صلح یا مذاکرات اسی اُسلوب میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ صلح پر آمادہ کرنے کا حکم حتیٰ کہ اس کے لیے قتال کا جواز مسلمانوں کو دیا جارہا ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ امریکہ جیسا مفاد پرست ملک اور اس کا متعصّب ترین سربراہ مسلمانوں کا کسی صورت خیر خواہ ہو سکتا ہے؟ یا ان کے مابین صلح کرانے کا آرزومند!! قرآن مجید نے تو ان یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے سے روکا ہے جن کی دشمنی چھپی ہوئی تھی اور کبھی ان کے منہ سے کوئی بات نکل جاتی تھی، وہ تو ایسے چھوٹے اور گمنام دشمن تھے کہ قرآن مجید نے ان کا نام تک ذکر نہیں کیا اور ہمیں اپنا خیر خواہ وہ نظر آرہا ہے جس نے ووٹ کی بھیک مانگنے کا جو کشکول تیار کیا تھا، وہ اُمتِ مسلمہ کے گوشت اور خون اور ان کی مقدس سرزمین کی خاک کے آمیزے سے تیار کیا تھا۔ امریکہ کی تاریخ میں ایسے متعصّبانہ انداز کی انتخابی مہمیں کم ہی چلی ہیں۔ ٹرمپ کی جیت نے تو امریکہ اور مغرب کا متعصّب چہرہ بالکل واضح کر دیا تھا۔

کیا موجودہ سعودی عرب میں انصار رضی اللہ عنہم کی نسل میں سے کوئی بھی رجل رشید باقی نہیں بچا جو کارپردازانِ حکومت کو بتائے کہ یہ تو وہ مکار دشمن ہے جو حالتِ کفر میں بھی ہمارے بڑوں کو باہم لڑا کر دونوں کو اُدھار اسلحہ فروخت کرتے تھے۔ اس طرح انھیں لڑا لڑا کر ختم اور بھسم بھی کرتے رہے اور قرضے پر سود لے لے کر انھیں معاشی طور پر تباہ کر کے اس وقت کے یثرب پر اپنا مزعومہ تسلط بھی قائم کیے رکھا۔ اب مسلمانوں کو وہ کیونکر چھوڑیں گے؟

یہ صرف سعودی عرب کا نہیں، پوری اُمتِ مسلمہ کا جرم ہے کہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ ایران ایک عرصے سے اُمتِ مسلمہ کے جسد میں چھرا گھونپے ہوئے ہے، کبھی پاکستان کو دھمکیاں اور فرقہ واریت کو ہَوا، کبھی یمن کے باغی حوثیوں کا تعاون، کبھی یمن میں خلفشار، کبھی شام میں بشار الاسد کی فورسز کا پشتی بان اور شانہ بشانہ، کبھی لبنان میں حسن نصر اللہ کو سپورٹ، دوسری طرف پاکستان کے دشمن بھارت سے معاہدے اور گوادر کے مقابلے میں چاہ بہار..... تو آخر اُمتِ مسلمہ ایران کو تمام بلادِ اسلامیہ میں ایسی دخل اندازی بلکہ بغاوت سے کیوں نہیں روکتی؟ سعودی عرب کا شکوہ ایران سے بجا ہے کہ وہ اپنے شیعہ انقلاب کو مسلم ممالک میں پروان چڑھانے اور ان میں دخل اندازی کرنے سے باز آجائے۔ یہی مشرق وسطیٰ میں حالیہ اختلافات کی بنیاد ہے۔

ایران کو سعودی عرب سے ایسا شکوہ کیوں نہیں کہ سعودی عرب اس کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کرتا ہے؟ گویا شیعہ سنّی اختلافات میں زیادتی ایران کی طرف سے ہورہی ہے اور اس سے عالم کفر فائدہ اُٹھارہا ہے۔ ایران کا یہی توسیع پسندانہ اور دخل اندازی کا رویہ دیگر ممالک کے ساتھ بھی ہے۔ جیسا کہ ایران سے یہ کیوں نہیں پوچھا جاتا کہ کل بھوشن ایران کے راستے کیوں پاکستان داخل ہوا۔ اُمت کو چاہیے کہ وہ اپنے مسائل خود حل کرے۔ حتیٰ کہ ٹرمپ کا بھی بظاہر یہی پیغام ہے کہ امت اپنے مسائل خود ہی حل کرے اور جو ممالک قائدانہ صلاحیت رکھتے ہیں انھیں آگے بڑھ کر کردار ادا کرنا اور دشمن کے عزائم کو خاک میں ملانا چاہیے۔

اسی طرح عالم کفر کو مسلمانوں کے باہمی تصادم سے ایک بڑا فائدہ اپنے معاشی استحکام کی صورت میں ملتا ہے۔ کیونکہ جب بلادِ اسلامیہ میں خلفشار ہوتی ہے تو سرمایہ کاروں کو اپنے ممالک کی صورتِ حال غیر یقینی نظر آتی ہے اس لیے وہ خود بھی بلادِ غیر کے ویزے لے کر وہاں جاتے ہیں اور سرمایہ کاری بھی وہیں کرتے ہیں حتیٰ کہ اپنے اثاثے بھی بلادِ کفر کے بینکوں میں رکھتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ عالم عرب اگر بلاد غیر کے بینکوں سے اثاثے واپس لے لے تو ان کی معیشت تباہ ہو جائے مگر عالم کفر میڈیا کے سہارے بلاد اسلامیہ کی کچھ ایسی منظر کشی کرتا ہے جو حقیقت سے بعید ہوتی ہے تاکہ وہاں کے باسی مزید بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا ہو کر بلاد غیر کے در پر جھکیں اور اسے اپنی پناہ گاہ سمجھیں۔ کوئی انگریزی رَٹ رہا ہو اور کوئی چینی زبان۔

④ چوتھی حقیقت یہ ہے کہ عالم کفر ضرورت پڑنے پر بہت کچھ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ٹرمپ نے اُمتِ مسلمہ کی بھرپور مخالفت کرکے جیت حاصل کی لیکن ضرورت کی خاطر اس نے اپنے پہلے دورے کا آغاز ہی سعودی عرب سے کیا، اگرچہ اختتام ویٹی کن پر کیا۔ جب امریکہ کو پاکستان سے مفاد تھا تو کبھی ایڈ آرہی ہے، میڈیا پر امریکی تذکرہ چھایا ہوا ہے، دادو تحسین دی جارہی ہے۔ ان دنوں تو ایسے محسوس ہوتا تھا کہ امریکہ اور پاکستان یک جان دو قالب ہیں مگر جب مفاد وابستہ نہ رہا تو ٹرمپ نے پاکستان کی دہشت گردی کے خلاف قربانیوں کا تذکرہ تک نہ کیا۔ چلیں ہمارا دیرینہ دوست اور میزبان ملک ہی پاکستان کا نام لے لیتا مگر افسوس ایسا بھی نہ ہوسکا۔ بھلا ایسے اتحاد جو اپنے آغاز ہی میں ڈولتی کشتی کی طرح عدم توازن کا شکار ہوں وہ کیا نتائج لاسکتے ہیں!!! اگر سعودی عرب نے بہت سے مواقع پر پاکستان کا ساتھ دیا ہے تو پاکستان نے بھی بہت سی قربانیاں دی ہیں اور اب بھی دے رہا ہے۔

⑤ پانچویں حقیقت یہ ہے کہ عالم کفر اُبھرتے ہوئے اور ترقی کی راہ پر گامزن اسلامی ممالک کو ضرور ہدف بناتا ہے تاکہ دوسرے اسلامی ممالک بھی خبردار ہو جائیں۔ جیسے اس نے پاکستان کو ہدف بنایا اور پاکستان کا اس قدر نقصان کیا کہ کوئی دشمن بھی شاید دشمنی کے روپ میں اتنا نقصان نہ کرسکے جس قدر امریکہ نے دوستی کے روپ میں کردیا۔ اب تو یہ نوشتہ دیوار بن چکا ہے کہ امریکہ کی دشمنی اتنا نقصان نہیں کرتی جس قدر نقصان دہ اس کی دوستی ہے۔

مصر میں منتخب صدر مرسی کی اسلام پسند منتخب حکومت کا تختہ اُلٹا۔ اخوانیوں کو سعودی عرب اور سعودی عرب کو اخوانیوں کا دشمن باور کرا کے مصر اور سعودی عرب کے حالات کشیدہ کیے، پاکستان اور افغانستان جنھوں نے کبھی سرحد پر پہرہ اور آمد و رفت کے لیے قانونی چارہ جوئی کا سوچا بھی نہ تھا۔ ایک دوسرے ممالک میں آنے جانے والے لوگ ایسے آتے جاتے تھے جیسے 'خالہ کے گھر' جایا جاتا ہے لیکن اب یہاں بھی کشیدگی بڑھنے لگی ہے اور فوج کو مداخلت کرنا پڑتی ہے۔ دونوں اسلامی ممالک کی سرحدوں پر تیار تازہ دم فوج اور فوج کی باقاعدہ مشغولیت، امریکہ کی دوستی ہی کا نتیجہ ہے۔

لیکن مقامِ افسوس یہ ہے کہ ان تمام زمینی حقائق کے باوجود اگر امریکہ کسی اور روپ میں آکر کسی اسلامی ملک سے کسی قسم کا تعاون چاہتا ہے تو وہ فوراً تیار ہو جاتا ہے، وہ یہ بھی نہیں دیکھتا کہ اس کی خونخوار تاریخ کیا بتا رہی ہے؟ بلکہ وہ خود سے تجربات کرکے ان کی قیمت دینا چاہتا ہے۔

⑥ چھٹی حقیقت یہ ہے کہ شیطان کی طرح عالمی طاقتیں بھی ہر ایک اسلامی ملک سے، اسی کے روپ میں ملتی ہیں۔ وہ پہلے بلادِ اسلامیہ کی کمزوریوں کو بھانپتے ہیں، ان کے مسائل جانتے ہیں اور پھر ان سے تعاون کی آڑ میں دخل اندازی کرتے اور اپنے مذموم مقاصد حاصل کرتے ہیں۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ وہ بلادِ اسلامیہ میں کسی نہ کسی صورت میں اپنے 'بریف کیس ہم نوا' بنا کر رکھتی ہیں۔ مثلاً اگر کسی ملک کا حکمران امریکہ مخالف ہو گا تو وہاں کا اپوزیشن لیڈر اس کا ہم نوا ہو گا، یہ دونوں اگر کام نہ آسکیں تو پھر فوج کا سربراہ ان کا ہم نوا ہو گا۔ اگر ایسا بھی نہ ہو سکے تو اس ملک کا بڑا روحانی پیشوا ان کا معاون ہو گا، یعنی وہ ہر اسلامی ملک سے ایک طرح سے نہیں کھیلتے اور ایک ہی پتہ نہیں کھیلتے۔ ہر ملک کو کمزور کرنے کا طریقہ مختلف ہے۔ کیا آپ جانتے نہیں کہ مشرقِ وسطیٰ کے ممالک کو کمزور کرنے کے لیے پچھلے سالوں میں کیسی لہر اٹھی تھی؟ کیا وہاں کے باسیوں کو یک دم سے خواب آیا تھا کہ ان کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے۔ نہیں، وہ انھی سامراجی طاقتوں کی چال تھی۔ کئی ملکوں میں ان کی چال چل گئی اور کئی ممالک بال بال بچ گئے مگر انھیں اپنی حقیقت کا کھل کر اندازہ ہو گیا۔ وہ مصر جس میں سید قطب سے لے کر صدر مرسی تک بہت سی قربانیاں دے کر حکومت حاصل ہوئی تھی، اسے ایک ہی جنرل کے ہاتھوں تہس نہس کر دیا گیا۔ علاوہ ازیں حال ہی میں ترکی کے مذہبی پیشوا فتح اللہ گولن کے ذریعے وہاں کے حالات ابتر کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ خلافت سے اختلاف تو عالم کفر کی گھٹی میں پڑا ہے مگر ان کی اپنی نوزائیدہ جمہوریت کے علم بردار جب جمہوریت کے نتائج نہ دے سکیں تو وہ اس جمہوریت کو بھی پنپنے نہیں دیتے۔

⑦ ساتویں حقیقت یہ ہے کہ مسلمان جب بھی کوئی اتحاد بناتے ہیں تو اس اتحاد کے پروان چڑھنے سے پہلے ہی تمام اتحادی اپنے اپنے مفادات تلاش کرتے ہیں۔ مثلاً مسلم ممالک کے حالیہ اتحاد کے میزبان ملک نے یہ اتحاد کیا اُمت کی بہتری کے لیے ترتیب دیا ہے؟ تو وہ تو کسی طور نظر نہیں آئی۔ البتہ اس اتحاد کو اپنے مفادات تک محدود رکھنے کا عندیہ ضرور ظاہر ہوا ہے۔ جب وسائل سے مالا مال اُمت کے ایک اہم ترین ملک کا یہ عالم ہے

تو دوسروں کے رہینِ منت ممالک کا اندازہ خود کر لیجیے۔ ایران کو اپنے مفادات عزیز ہیں اور پاکستان سعودی عرب کا ساتھ اس لیے کھل کر نہیں دیتا کہ حکمران جماعت کا ووٹ بینک خراب ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ ہر اسلامی ملک اپنے اپنے دائرہ میں محبوس ہے، جبکہ کفار اپنے ذاتی مفادات کو پیچھے رکھ کر اُمت کے خلاف یک جان اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے ایجنڈے پر سب متفق ہیں۔ قرآن مجید نے اسی لیے کہا:

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ؀﴾

"اور کافر ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو (تمہاری) سرزمین میں فتنہ اور بڑا فساد بپا ہو گا۔" (الأنفال ۷۳)

بلادِ کفار کی چالیں بلادِ اسلامیہ میں کامیاب بھی اسی لیے ہوتی ہیں کہ انھیں یہاں سے مفاد پرست اور خیر خواہ مل جاتے ہیں۔ اور مسلمانوں کا باہمی تعلق اس قدر کمزور ہے کہ وہ ایک دوسرے کے تحفظ اور دفاع کے لیے کام ہی نہیں آتا۔

⑧ آٹھویں حقیقت یہ ہے کہ عالم کفر نے ہر محاذ پر اسلامی ممالک کو کمزور کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر کسی نے کوئی تعاون بھی کیا ہے تو اپنے مفاد کے لیے، قرض دیا ہے تو سود پر اور اپنا ماتحت بنانے کے لیے، جبکہ قرض لے لے کر ترقی حقیقی ترقی نہیں ہو سکتی۔

سی پیک CPAC منصوبے کا بڑا چرچا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے اثرات سے قوم کو نوازے۔ وہ شر سے خیر پیدا کرنے پر قادر ہے لیکن اس کی آڑ میں جو اخلاقی تبدیلیاں اور چین پر اعتماد بڑھ رہا ہے، وہ بھی پاکستانی قوم کے لیے خوش آئند نہیں۔ ہمیں سوے ظن نہیں لیکن یہ منصوبہ بھی اس لیے تیزی سے جاری ہے کہ اس سے چین کا مفاد وابستہ ہے۔ مطلب یہ کہ پاکستان سے زیادہ چین کے لیے سود مند ہے۔ قرآن مجید نے ﴿لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا﴾ "اپنے علاوہ کسی کو بھی اپنا راز دار نہ بناؤ، وہ تمھیں خراب کرنے میں کمی نہیں چھوڑیں گے۔" فرما کر ہر قسم کے کفار کے عزائم کو واضح اور انہیں ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا ہے۔ اب ہم ان احکامات کے ہوتے ہوئے بھی اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماریں تو یہ سب اپنا کیا دھرا ہے۔

⑨ نویں حقیقت آٹھویں سے ملتی جلتی ہے کہ عالم کفر امت مسلمہ کے وسائل استعمال کرتا بلکہ نچوڑتا ہے۔ جن ممالک میں وسائل موجود ہیں، ان سے اتنا فائدہ متعلقہ اسلامی ممالک نہیں اُٹھاتے جتنا فائدہ بلادِ غیر اُٹھاتے ہیں۔ پاکستان جیسی سرزمین میں اہم ترین وسائل کو لوٹ کر خود زیادہ فائدہ اُٹھاتے اور کمر میں چھرا بھی گھونپتے ہیں۔ وقت کی اہم ترین ضرورت پٹرول اور ڈیزل کو دیکھ لیجیے، سعودی عرب کی معیشت نے بری طرح کروٹ لی، ہمیں نہیں معلوم کہ کسی ملک کی معیشت کو ایسا دھچکا لگا ہو کہ وہاں کے ملازمین کی تنخواہیں پہلے دی جانے والی تنخواہوں سے کم کر کے ایک تہائی یا نصف کر دی گئی ہوں۔ اس میں کردار بھی امریکہ کا ہے جس نے ایران سے خام تیل خرید کر عالمی منڈی میں تیل کی قیمت میں کمی کر کے سعودی عرب سے تیل لینا چھوڑا اور وہاں کی

معیشت کو کمزور کیا۔ تیل اسلامی دنیا کا اور اس کا بھاؤ مقرر کرنے والا امریکہ اس سے بڑے کمزور معاشی نظام کی دلیل کیا ہو گی۔ لیکن اسلامی ممالک پھر 'اسی عطار' کے لونڈے سے دوا لینے پر بضد ہیں۔

⑩ دسویں حقیقت شیعہ سنّی اور فرقہ وارانہ تعصبات ہیں۔ امریکہ نے سعودیہ میں آکر ایران کے خلاف بات کی ہے۔ اس سے کئی حلقوں میں خوشی اور زیادہ حلقوں میں سنگینی بڑھی ہے کیونکہ عالم کفر کے پاس شیعہ سنی قضیہ ایک ایسا مسئلہ ہے جسے کم وبیش چودہ سو سال سے مختلف محاذوں پر امت کے خلاف استعمال کیا جا رہا ہے۔ اسے جب بھی ہوا دی گئی نقصان امت ہی کا ہوا ہے۔ امت کے لیے اس سے زیادہ نقصان دہ فتنہ کوئی نہیں اور دشمن کے لیے اس سے زیادہ مناسب اور خوش کن موقع کوئی نہیں۔ اس لیے دشمنان اسلام کو خوشی مہیا کرنے کے بجائے ہمیشہ دور رس نتائج کو مد نظر رکھنا چاہیے۔ اس قضیے کو دبائے رکھنے ہی میں عافیت ہے۔ اگر ایران کی ریشہ دوانیاں سامنے رکھنی مقصود بھی ہوں تو بحیثیت ملک انھیں آشکارا کیا جائے نہ کہ بحیثیت مسلک۔

آپ نے دیکھا کہ قطر اور سعودیہ ایک دوسرے کے مد مقابل آرہے ہیں۔ اس حالیہ کارروائی کو ایران نے بلا تامل سعودیہ کی حالیہ کانفرنس کا پہلا نتیجہ قرار دیا ہے۔ ایسے لگتا ہے تھنک ٹینک نما جونکیں اُمت کے وجود سے مسلسل چمٹی ہوئی ہیں اور جہاں سے ذرا کمزور حصہ نظر آتا ہے، وہاں سے خون چوسنا شروع کر دیتی ہیں اور امت کے وجود کو بری طرح ناتواں کر رہی ہیں۔ قطر کے بارے میں یہ بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ

بظاہر اخوت اسلامی کا دم بھرنے والے قطر میں امریکہ کا مشرق وسطی کا سب سے بڑا فوجی اڈہ موجود ہے جہاں سے جہادی تحریکوں اور مسلم عوام کے خلاف مسلسل بمباری ہوتی ہے، 'علمائے کرام کی سرپرستی کرنے والے' قطر میں اسلامی شرعی عدالتیں چند سال سے، دیگر خلیجی ممالک کے برعکس ختم کر دی گئی ہیں۔ الجزیرہ ٹی وی چینل کی ملکیت ماضی کے برعکس قطری شاہی خاندان اور یورپی شخصیات کے پاس ہے، اور اس کی پالیسیاں ماضی سے بالکل مختلف ہو چکی ہیں۔ ایک طرف امریکہ قطر کو دہشت گرد ریاست قرار دے رہا ہے تو دوسری طرف سعودی قطری اختلاف کے بعد امریکہ نے قطر سے جون کے وسط میں ایف ۱۵ جنگی طیاروں کی فروخت کا ۱۲ بلین کا معاہدہ کیا ہے۔ پھر ۱۱ جولائی کو قطر نے امریکہ سے دہشت گردی کے خلاف ایک اور مالی معاہدہ کیا ہے جسے عرب ممالک نے ناکافی قرار دیا ہے۔ لندن میں ٹیکسیوں پر لگے اشتہارات میں قطر کی حمایت میں مہم چلائی گئی۔ امریکہ کے کہنے پر قطر نے طالبان کے دفاتر کھول کر انہیں معاہدوں کے لئے میز پر لانے کی کوششیں بھی کی ہیں، اس لئے قطر کی اسلامی اخوت کے ظاہری جذبات سے بھی مغالطہ نہیں کھانا چاہیئے۔

⑪ گیارہویں حقیقت یہ ہے کہ عالم کفر ہمیشہ اسلام، بلاد اسلامیہ اور مسلمانوں کے حق میں دوہرا معیار اور متعصّبانہ رویہ رکھتا ہے۔ مثلاً کفار کے وہ دشمن، جنھیں خود کفار نے دشمن قرار دیا ہے، انھیں وہ کسی ضابطے کے بغیر فرعون کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹا دیتے ہیں مگر پوری امت کے متفقہ مجرم، یعنی جن کے جرم میں امت کے کسی گروہ کو کوئی اختلاف نہیں وہ بلادِ غیر میں دندناتے پھرتے ہیں۔ بلکہ انھیں پناہیں دی جاتی ہیں اور یورپ فوراً

ایسے لوگوں کا خریدار بن جاتا ہے، انھیں ہاتھوں پہ اٹھاتا اور سینے سے لگاتا ہے۔ عالمی عدالت نے کل بھوشن کی پھانسی رکوائی ہے تو یہ بھی ان کے دوہرے معیار کی قلعی کھولتی ہے۔ اگر کسی ایک ملعونہ عیسائی خاتون کو سزا دینے کی بات آئے تو یورپ کیا بلادِ اسلامیہ ہی سے اس کے ہم نوا اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، جبکہ اپنے مجرموں کو سزا دلوانے کے لیے وہ ہر قانون حتیٰ کہ ملزم کو مجرم ثابت کرنے کے دلائل کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے۔ باحجاب خواتین کو یورپ میں سرعام نشانہ بنایا جاتا، تضحیک کی جاتی ہے، ہراساں کیا جاتا ہے مگر حقوق انسانی کے علم بردار خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں اور مسلمانوں سے کیے ہوئے معاہدوں کو یا عالمی معاہدوں کو وہ اسی صورت قائم رکھتے یا استعمال میں لاتے ہیں جب ان کے مفادات پر زد نہ پڑتی ہو مگر جب ایسا ہوتا نظر آرہا ہو تو وہی معاہدہ ردی کاغذ کا ایک ٹکڑا بن جاتا ہے۔

جہاں تک میڈیا پر مغرب اور مشرق کے مابین دوہرے معیار کا تعلق ہے وہ تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ دین سے محبت کرنے والے مسلمانوں کو ایک عرصے سے انتہا پسندی اور قدامت پسندی کا طعنہ دیا جارہا ہے مگر وہ عیسائی راہب اور راہبائیں، وہ سکھ ازم سے وابستہ لوگ جو اپنی تمام غلط سلط رسوم ورواج کو کسی صورت نہیں چھوڑتے، انھیں کوئی یہ طعنہ نہیں دیتا۔ ٹرمپ کی بیوی سعودی عرب آکر مسلم خواتین کا سا لباس نہیں اوڑھتی مگر ویٹی کن جاکر راہبہ کا روپ دھار لیتی ہے۔

⑫ بارہویں حقیقت یہ ہے کہ عالم کفر جب بھی کسی اسلامی ملک کو ایڈ بطورِ قرضہ دیتا ہے تو وہ ان کی پارلیمنٹ میں باقاعدہ منظوری کے بعد جاری ہوتا ہے۔ اس پر پوری بحث ہوتی ہے اور اپنے مفادات کا بھرپور جائزہ لیا جاتا ہے۔ مثلاً ہمارے ملک کو امریکہ نے تعلیم کے نام پر ایڈ دی تو کیا یہ معاشی ترقی اور اعلیٰ اقدار کے فروغ کے لیے دی۔ نہیں، اس نے یہ ایڈ ہمارے نصاب تعلیم میں تبدیلیاں کرنے کی شرط پر اور دین سے ناطہ کمزور کرنے کے صلے میں دی۔ اب اس سال امریکی مدد کو روک لینے کا مقصد بظاہر یہی ہے کہ پاکستان قبائلی حضرات کے خلاف جارحیت کرکے تناؤ کی فضا قائم کرے۔ ان چھوٹے فوائد کے لئے امت اپنے مقصدِ وجود ہی سے دور نکل جائے تو کس قدر بڑا نقصان ہے۔ اس وجہ سے ہم نئی نسل میں اسلام بیزاری کی لہر دیکھ رہے ہیں۔ بلادِ غیر کے وزٹ اور تعلیمی دورے کرواکر نوجوان نسل سے اسلامی اقدار کھرچی جارہی ہیں۔

عالمی حالات کا یہ ایک مختصر ساخاکہ ہے۔ کوئی مسلم دانشور جب سوچے، کوئی صحافی رپورٹ کرے، کوئی مضمون نگار قلم اٹھائے، کوئی قانون دان قانون وضع کرے، کوئی مسلم وزیر پالیسی بنائے، کوئی پارلیمنٹ قانون کو پاس کرے اور کوئی منتظم تنقید کرے تو خدارا عالم کفر کی ان چالوں کو سامنے رکھ لیا جائے۔ اس سے عالم کفر کی بڑی واضح اور ڈراؤنی اور متعصّبانہ شکل اور ان کی زیادتیوں اور ناانصافیوں کا تسلسل سامنے آجائے گا اور امت کے خوابِ خرگوش کے مزے لوٹنے کی داستان بھی۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو اپنا آپ پہچاننے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!

www.kitabosunnat.com magazine.mohaddis.com

CPL No. 49
Vol. 49 No. 3
Monthly MUHADDIS Lahore
35866476
35866396

عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں

لیکن تعصّبات سے بالا تر رہ کر افہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

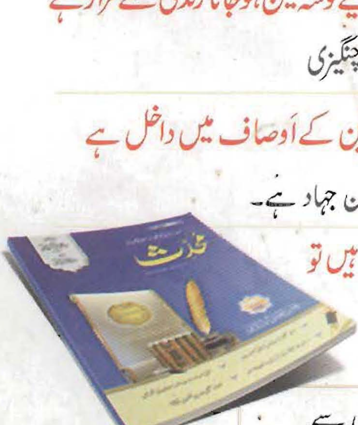

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

- قیمت فی شمارہ ۶۰ روپے
- زرِ سالانہ ۳۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700